علمائے دیوبند کا تقویٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

عمر پبلی کیشنز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علمائے دیوبند کا تقویٰ

قَولُہٗ تعالیٰ اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ.

ترجمہ: اللہ سے ڈرنے والے ہی اس کے دوست ہوتے ہیں اور بس (القرآن)

علمائے دیوبند کا تقویٰ

از افادات:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب: صوفی محمد اقبال مہاجر مدنی

تسہیل و ترتیب: حافظ محمد سلیمان

عمر پبلی کیشنز

فرسٹ فلور یوسف مارکیٹ 38۔ اردو بازار لاہور فون: 7356963

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

U/0084/05-04-S/R

نام کتاب	:	علمائے دیوبند کا تقویٰ
از	:	حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ
ترتیب	:	صوفی محمد اقبال
تسہیل و ترتیب	:	حافظ محمد سلیمان
باہتمام	:	حافظ محمد احمد چوہدری
اشاعت	:	جون 2004ء
ناشر	:	عمر پبلی کیشنز یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ
		38-اردو بازار لاہور فون:7356963
قیمت	:	70.00 روپے

فہرست مضامین

مضامین	صفحہ نمبر
افتتاح بقلم حضرت شیخ الحدیث	۹
تمہید	۱۱
حکایت کی اہمیت	۱۱
تقویٰ کی ضرورت	۱۱
فصل اول	
مولانا گنگوہی کے واقعات	۱۴
مرض الموت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا	۱۴
بینائی کی خاطر ایک سجدہ بھی تکیہ پر گوارہ نہیں	۱۵
درس بند ہو جانے پر ہدیہ لینے میں تقویٰ	۱۶
مرید بھی پیر کو تیر لیتا ہے	۱۶
حضرت عبدالقدوس کا حجرہ	۱۷
مجھ میں کوئی کمال نہیں	۱۷
امام شافعی زندہ ہوتے تو ان کی تقلید کرتا	//
شیخ کی جگہ کا ادب	۱۸
تم کو ذخیرہ آخرت جانتا ہوں	//
حضرت سہارنپوری کی نسبت کی کیفیت	۱۹
اپنا حال لکھ نہیں سکا	۲۰
کاش آپ کے حسن عقیدت کی وجہ سے مغفور ہو جاؤں	۲۰
دور کی گالیاں	//
یہاں ذرا لیٹ جاؤ	۲۱
طلبہ کی جوتیاں	//
فصل دوم	
مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے واقعات	۲۲
عبادت محاکمہ	۲۶
قبول ہدیہ کا ادب	//
بیعت کے الفاظ	۲۷
شیخ پورہ کی دعوت	//
بذل المجہود	۲۹
سخت ترین گرمی میں روزہ	۳۰
دولہا کا لباس	۳۰
بیعت کے وقت ہدیہ	۳۱
حضرت شیخ الہند کا پہلا وعظ	۳۲
حضرت مدنی حلقہ درس میں	۳۳
فصل سوم	
مدارس کے معاملات میں اکابرین کا تقویٰ اور مدارس کی سرپرستی	۳۴
حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کا تقویٰ	۳۵
حضرت مولانا مظہر نانوتویؒ کا تقویٰ	۳۵
حضرت سہارنپوری کی تنخواہ سے معذوری	۳۶
تنخواہ میں اضافہ	۳۶
حضرت شیخ الہند کا تقویٰ	۳۷
حضرت سہارنپوری کا مدرسے کی اشیا کو استعمال نہ کرنا	۳۷
جلسے کے موقع پر اپنے گھر کا کھانا کھانا	۳۷

مضامین	صفحہ نمبر
سالن گرم کرنے کا معاوضہ	۳۸
مدرسہ کا قلمدان	۳۸
حضرت مہتمم کی جدوجہد اور جانفشانی	۳۹
مولانا محمد منیر صاحب مہتمم دارالعلوم	۴۰
مہمان خانہ کا کرایہ ادا کرنا	۴۱
فصل چہارم	
مولانا مظہر حسین کاندھلوی کے واقعات	
مولانا گنگوہی کے معاصرین وبعد کے مشائخ عظام کے واقعات	۴۲
دہلی کے بازار کا سالن	۴۳
بہلی میں بلا اجازت مالک کے ایک خط بھی لیجانے سے انکار	۴۳
نواب قطب الدین کی دعوت	۴۳
نماز تو پڑھ لے ہے	۴۴
رنڈی کی بہلی	۴۵
مہمان کا سامان سر پر	۴۶
غلہ کو کرتہ میں لیجا کر ہمسایوں کا سودا لانا	۴۶
حضرت مولانا کا وصال	۴۶
حضرت تھانوی کے واقعات	۴۷
بیت المال کی رقم	۴۸
چندہ کی واپسی	۴۸
گنے کا محصول آگے کیا ہوگا	۴۹
او بناز بچے من بنیاز بچے	۴۹
اسٹیشن کی لالٹین	۴۹
حضرت جی صاحب کی تسبیح	۵۰

مضامین	صفحہ نمبر
میزان عدل	۵۰
اشرف علی آیا ہے	۵۰
رقیبوں کے ڈر سے محبوب کو نہیں چھوڑا جاسکتا	۵۱
حضرت شہید کے وعظ کا قصہ	۵۱
واقعی مجھ سے غلطی ہوئی ہے	۵۲
خواب میں حضرت اقدس کی زیارت	۵۳
آج سوت کا کیا بھاؤ ہے	۵۴
تواضع کی حد	۵۴
یہی تو وقت تھا بیان کا	۵۵
آموں کی گٹھری سر پر	۵۵
مکتوب گرامی حضرت شیخ الہندؒ	۵۶
پیروں کا غلام ہوں	۵۸
شاہ عبدالرحیم صاحبؒ	۵۸
طبیب نے زہر دیدیا	۵۹
خادم تو ایسی راحت میں اور مخدوم زادہ معمولی جگہ میں	۶۰
حضرت کا اپنے مہمان کے پاؤں دبانا	۶۱
حضرت مولانا شاہ عبدالقادرؒ	۶۱
بدن پر کمری والا خادم	۶۲
شیخ کے کپڑوں کا استعمال	۶۲
حضرت رحمۃ اللہ کی خانقاہ	۶۳
حضرت سہارنپوریؒ کی مجلس میں	۶۴
حضرت سہارنپوریؒ میرے بھی شیخ ہیں	۶۴
حضرت مدنیؒ سے عقیدت	۶۴

مضامین	صفحہ نمبر
حضرت دہلوی سے عقیدت	۶۵
مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں	۶۵
یہ حضرت شیخ کو سنانا	۶۵
حضرت شیخ الحدیث سے تعلق	۶۶
حضرت مولانا محمد یحییٰ کے واقعات	
دھوبی کے کپڑے	۶۶
پھوپھا مولانا رضی الحسن کے کپڑے	۶۷
کھانے کا کچونڈا	۶۸
تمہیں بھی بھادے	۶۸
مولانا لاہوری کی تواضع	۷۰
فصل	
حضرت شیخ الحدیث کے اشک آور	
وحشت پرور واقعات (تمہید)	۷۲
مدرسہ مظاہر العلوم کی چارپائیوں،	
بستروں کا استعمال	۷۸
دار جدید کی بجلی وغیرہ کا بل	۷۸
مدرسہ میں قیام کی وجہ سے کرایہ چندہ	
کے نام سے	۷۹
مدرسہ تحفیظ القرآن مدینہ منورہ کا قصہ	۷۹
طلبہ کی سفارش	۸۰
مدرسہ کی اینٹیں دھونا	۸۲
حضرت شیخ الحدیث کا سفر حج اور تنخواہ	۸۳
اپنے تعلق کی وجہ سے کسی طالب علم	
کا کھانا جاری کروان	۸۶
مطبخ سے اپنے لئے کھانا جاری	
کروانے کو ہمیشہ کیلئے بند کر دیا	۸۶
صل من قطعک	۸۷
حضرت شیخ کا ادب	۸۸
مرشد کے حجرہ اقدس پر قدم نہ رکھنا	۸۸
شیخ کی طرف متوجہ رہنے کا عجیب واقعہ	۸۸
کوئی حدیث بلا وضو نہیں پڑھی	۸۹
مدینہ پاک، باب النساء قدیم	۹۰
حضرت کا کھدر کا استعمال	۹۰
اس کی صورت کہہ رہی تھی کہ وہ	
دھوکا نہیں کرتا	۹۱
بذل کی رجسٹری کروالو	۹۲
بیعت کے وقت ہدیہ	۹۲
گرمی میں منہ پر کمبل	۹۳
زمین حرم کی عظمت	۹۳
مواجہہ شریف پر حاضری	۹۴
چکی کا پاٹ	
حضرت شیخ کی اپنی ذاتی آرا کے	
بارے میں تواضع	۹۵
حضرت شیخ کا درس حدیث میں	
انہماک و پابندی	۹۶
دعوت میں بلا اجازت شرکت کی ممانعت	۹۷
آئی ہوئی چیز کی واپسی کا اہتمام	۹۸
ہدیہ کی ترغیب یا تحریک کے شبہ سے	
ناگواری	۹۹

مضامین	صفحہ نمبر
مسائل متعلقہ تقویٰ	۱۰۳
مجمع میں سوال کرنے کی قباحت اور ظاہری دینداری سے دنیا کمانے کی برائی	۱۰۶
قلب سے فتویٰ لینے کی ضرورت	۱۰۷
نفس کو تشدد سے بچانا چاہئے	۱۰۸
عارض کی تحقیق نہ ہونے پر اصل پر عمل کرنا چاہئے	۱۰۸
مال کی حلت وحرمت کی شناخت	۱۰۹
پہلی قسم	
دوسری قسم	
تیسری قسم	
چوتھی قسم	۱۰۹
بازار کی چیزوں میں اصل حلت	۱۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

افتتاح بقلم حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم

اس ناکارہ کو بچپن ہی سے اپنے اکابرین کے ساتھ محبت، عشق کے درجہ میں ہے۔ بالخصوص جب سے حدیث پاک کا مشغلہ شروع ہوا اس وقت سے اپنے اکابرین کے حالات کو جامع الکمالات سید الکونین روحی فداہ وابی وامی ﷺ کے جامع صفات میں سے کسی نہ کسی صفت کا پرتو اور صحابہ کرام کی مختلف شؤن اور حالات میں سے کسی کی زندگی کا پرتو دیکھتا رہا اور جوں جوں حدیث پاک پر نظر بڑھتی گئی میرا یہ تجربہ بھی بڑھتا رہا اور اسی وجہ سے میری محبت بھی اپنے اکابر نور اللہ مراقدہم واعلی اللہ تعالیٰ درجاتہم سے بڑھتی گئی۔

اولئک ابائی فجئنی بمثلھم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

اور جس شخص نے ان کی صفات میں یہ اشعار کہے ہیں بالکل درست ہیں:

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظل لگانی
یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہیں کے اتقا پر ناز کرتی ہے مسلمانی

انہیں کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
انہیں کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی
رہیں دُنیا میں اور دُنیا سے بالکل بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی
اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزہ آئے
اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخندانی

اس سال رمضان المبارک ۹۷ھ میں سہارنپور میں بار بار یہ خیال آتا رہا کہ اکابرین کے کچھ واقعات تواضع اور تقویٰ کے یکجا جمع کراؤں اگرچہ ان میں سے اکثر واقعات میرے مختلف رسالوں میں آ بھی چکے ہیں مگر میرا خیال ہوا کہ ان کو یکجا جمع کرا کر ان پر مزید واقعات کا اضافہ کراؤں کہ اکابرین کے قصوں کو جتنا میں نے موثر پایا دوسری چیزوں کو نہیں پایا چونکہ یہ ناکارہ تو کئی سال سے بالکل ہی معذور ہو گیا۔ خط و کتابت تو درکنار چند ماہ سے تو بولنا بھی دشوار ہو گیا، دیر تک مصافحہ کرنے سے بھی چکر آ جاتا ہے اس لیے اپنی اس خواہش اور تمنا کو اپنے مشفق دوست صوفی محمد اقبال صاحب ہشیار پوری ثم المدنی (جو ان جذبات میں میرے بہت قریب ہیں) سے درخواست کی کہ میرے رسالوں میں سے چن چن کر اور اس کے مناسب دوسری کتابوں میں سے میرے اکابرین کے حالات تواضع اور تقویٰ کے یکجا جمع کر دیں میں زندہ رہا تو خود چھپواؤں گا ورنہ ان کو اور اپنے خصوصی احباب کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اس کو ضرور چھپوائیں اور آج ۲۸ ذی قعدہ ۹۷ھ بمطابق ۹ نومبر ۷۷ء کو مسجد نبوی میں یہ سطور لکھوا کر صوفی صاحب کے حوالے کرتا ہوں کہ آئندہ اس کی تکمیل وہ فرمائیں، اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے کہ وہ بھی عرصہ سے بیماری میں میرے قریب قریب ہی چل رہے ہیں مگر چونکہ اس جذبہ میں بھی میرے ساتھ ہیں اس لیے ان کے سپرد کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان سے اس کی تکمیل کرائے اور ان کیلئے اس کو صدقہ جاریہ بنائے۔

فقط......

تمہید

حکایات کی اہمیت

حضرات صوفیاء کے سردار حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد ہے کہ حکایتیں اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہیں جس سے مریدین کے دلوں کو تقویت ملتی ہے۔ کسی نے دریافت کیا کہ اس کی کوئی دلیل بھی ہے؟ فرمایا ''ہاں اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

وکلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ فؤادک
وجاءک فی ھذہ الحق وموعظۃ وذکری للمومنین٥

یعنی پیغمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ سارے قصے آپ سے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعہ سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں۔ (ایک فائدہ تو یہ ہوا) اور ان قصوں میں آپ کے پاس ایسا مضمون پہنچتا ہے جو خود بھی راست اور واقعی ہے اور مسلمانوں کیلئے نصیحت ہے اور اچھے کام کرنے کی یاد دہانی ہے۔ (بیان القرآن)

تقویٰ کی ضرورت

اس مختصر رسالہ میں اپنے سلسلہ کے ان اکابرین (جن کے دیکھنے والے یا دیکھنے والوں کے دیکھنے والے اب تک موجود ہیں) کے کمالات و حالات زندگی میں سے صرف تقویٰ و تواضع کے چند واقعات نقل کئے جائیں گے۔ ہر بزرگ کے

احوال و مزاج کے اختلاف کی وجہ سے واقعات کی نوعیت مختلف ہوگی مگر تقویٰ و تواضع کی صفت سب اولیاء اللہ میں ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ ان صفات کے بغیر ولایت و بزرگی کا اعتبار ہی نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے"ان اولیاؤہ الا المتقون۔ خدا کا کوئی ولی نہیں بجز پرہیز گاروں کے۔" اس لیے غیر متقی اس کا ہرگز ولی نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح تواضع کے بارے میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے "من تواضع للہ رفعه الله" لہٰذا جس میں جتنی تواضع ہوگی اس میں اتنی ہی حقیقت رفعت و بزرگی ہوگی اور جتنا کوئی خود اپنی بزرگی کو ثابت کرے گا جو کہ تواضع کی ضد ہے اتنا ہی حقیقت میں وہ ذلیل ہوگا۔ تقویٰ کے معنی اللہ تعالیٰ کے منع کردہ یا ناپسندیدہ باتوں سے خوف محبت یا حیا کی وجہ سے رکنا یا بچنا' معرفت و محبت اور یقین و احسان کی صفات والے شخص جس کو ولی اللہ اور صاحب نسبت کہا جاتا ہے اس میں تقویٰ اور تواضع کا پیدا ہو جانا لازمی ہے جیسا کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ اپنے ایک مکتوب میں نسبت یادداشت کے حصول پر فرماتے ہیں کہ اب اس میں یادداشت کے ساتھ حیا (جو باعث تقویٰ و تواضع ہے) مالک حقیقی کی ہونا ضروری ہے جیسا کہ ہم اپنے کسی بڑے منعم ذی جاہ کے سامنے کوئی بے حرکتی خلاف رضا نہیں کر سکتے۔ ایسا ہی معاملہ خلوت میں اپنے اس حاضر و ناظر مولیٰ سے ہونا چاہیے تاکہ حضور مسمی کا مصداق پورا ہو جائے کہ اپنی ہر ہر حرکت کو پیش نظر اسے مالک تعالیٰ جان کر بمیزان شرع کہ قانون رضا ہے ناپ تول کا دھیان رہے۔ الغرض ہر کام کو بحضور ذات تصور کرنا اور اس کی مرضی وغیرہ مرضی دریافت کر کے ترک و عمل کرنا چاہیے اور اس کا ہی نام احسان ہے۔

لہٰذا اگر کسی کو کثرت ذکر سے ملکہ یادداشت اور دیگر متعلقہ احوال رفیعہ حاصل ہوں مگر تقویٰ و تواضع حاصل نہ ہو تو سمجھنا چاہیے کہ اس کو ابھی تعلق باللہ یا نسبت حاصل نہیں ہوئی اور وہ محسن یا ولی اللہ نہیں کہلا سکتا اس لیے کہ کسی کو جس درجہ کی صفت

احسان حاصل ہوگی وہ اسی درجہ کا متقی و متواضع ہو جائے گا۔ خواہ یہ صفت چند روز کے بعد پیدا ہو جائے کیونکہ یادداشت لازم اور نسبت ملزوم ہے۔

اس رسالہ میں پانچ فصلیں ہوں گی:

اول حضرت گنگوہیؒ کے واقعات

دوم حضرت سہارنپوری کے واقعات

سوم مدارس کے معاملات میں اکابرین کا تقویٰ

چہارم حضرت گنگوہیؒ کے معاصرین اور بعد کے دیگر مشائخ کے واقعات

پنجم حضرت شیخ الحدیثؒ کے واقعات اور تقویٰ کے متعلق مسائل کے واقعات

☆☆☆☆☆

فصل اوّل

قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کے واقعات

مرض الموت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا

ع انہیں کے اتقا پر ناز کرتی ہے مسلمانی

حضرت گنگوہیؒ کے متعلق تذکرۃ الرشید میں لکھا ہے کہ اپنے معاملہ میں آپ کا تقویٰ احتیاط اس قدر تھا کہ مسئلہ مختلف فیہا میں قول راجح پر اقرب الی الاحتیاط کو اختیار فرماتے تھے۔ باوجود ضرورت کے احتیاط کو ہرگز نہیں چھوڑتے تھے۔ آپ کی احتیاط کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ آپ نے اپنے امراض میں کیسا ہی شدید مرض کیوں نہ ہوا کبھی بیٹھ کر نماز نہیں پڑھی۔ مرض الموت میں جب تک اس قدر حالت رہی کہ دو آدمیوں کے سہارے سے کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکے اس وقت تک اس طرح پڑھی کہ دو تین آدمیوں نے بڑی مشکل سے اٹھایا اور دونوں جانبوں سے کمر میں ہاتھ ڈال کر کھڑے ہو گئے اور قیام و رکوع و سجود انہیں کے سہارے سے نماز ادا کی۔ ہر چند خدام نے عرض کیا کہ حضرت بیٹھ کر نماز ادا کر لیجیے مگر نہ کچھ جواب دیا نہ قبول فرمایا۔

ایک روز مولوی محمد یحییٰ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر اس وقت میں بھی جائز نہیں تو وہ کون سا وقت اور کون سی حالت ہوگی جس میں بیٹھ کر نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ قادر بقدرۃ الغیر تو قادر ہوتا ہے اور جب میرے دوست ایسے ہیں کہ مجھ کو اٹھا کر نماز پڑھاتے ہیں تو میں کیونکر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہوں۔ آخر جب نوبت ضعف اس قدر پہنچ گئی کہ دوسروں کے سہارے بھی کھڑے ہونے کی قدرت نہ رہی تو اس وقت چند وقت کی نمازیں آپ نے بیٹھ کر پڑھیں۔ گویا بتلا دیا کہ اتباع شرع اس کو کہتے ہیں۔ تقویٰ اس کا نام ہے، اختیار احوط اس طرح ہوتا ہے۔ (تذکرۃ الرشید صفحہ ۴۲)

بینائی کی خاطر ایک سجدہ بھی تکیہ پر گوارہ نہیں

مفتی محمود صاحبؒ نے بروایت اپنے والد صاحب حضرت قطب العالم مولانا گنگوہیؒ کا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ نزول آب کے بعد حضرت سے آنکھ بنوانے کیلئے عرض کیا گیا تو آپ نے انکار فرمادیا۔ ایک ڈاکٹر صاحب نے وعدہ کیا کہ حضرت کی کوئی نماز قضا نہ ہونے دوں گا۔ فجر اول وقت اور ظہر آخر وقت میں پڑھ لیں۔ البتہ چند روز سجدہ زمین پر نہ فرمائیں اور نماز میں تکیہ رکھ کر اس پر کرلیں۔

اس پر ارشاد فرمایا کہ چند دن کی نمازیں تو بہت ہوتی ہیں ایک سجدہ بھی اس طرح گوارا نہیں۔ کسی خادم نے عرض کیا کہ حضرت درس حدیث دیتے تھے اب یہ فیض بند ہوگیا ہے۔ آنکھ بنوانے سے پھر یہ فیض جاری ہو جائے گا۔ اس پر ارشاد فرمایا اس میں میرے کسی عمل کو کیا دخل ہے۔ جب تک قدرت نے چاہا جاری رہا جب چاہا بند ہوگیا۔ پھر کسی نے عرض کیا کہ حضرت اس میں حرج ہی کیا ہے؟ فرمایا "حدیث شریف میں بصارت سلب ہونے پر جنت کی بشارت ہے۔ مجھ کو یہ نعمت ملی ہے میں اس کو کیوں ضائع کروں۔ چنانچہ آخر تک آنکھ نہ بنوائی۔

درس بند ہو جانے پر ہدیہ لینے میں تقویٰ

حضرت تھانویؒ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ مولانا گنگوہیؒ نے حدیث کا درس اپنے ہاں گنگوہ میں جاری کر رکھا تھا وہ سب توکل پر تھا۔ چنانچہ وہ درس جب بند ہوا (کیونکہ مولانا کی بینائی جاتی رہی تھی) تو اس کے بعد جب کبھی باہر سے بڑی بڑی رقمیں آتیں تو مولانا سب واپس کر دیتے کہ اب درس نہیں رہا۔ بعض لوگوں نے مولانا کو رائے دی کہ حضرت رقم واپس کیوں کی جائے۔ صاحب رقم سے کسی دوسرے مصرف خیر کی اجازت لے کر اس میں صرف فرما دیجئے گا۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ میں لوگوں سے کیوں اجازت لیتا پھروں؟

مرید بھی پیر کو تیرا لیتا ہے

حضرت گنگوہیؒ نور اللہ مرقدہ کے متعلق مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ سچی تواضع اور انکسار نفس جتنا امام ربانی میں دیکھا گیا دوسری جگہ کم نظر سے گزرے گا۔ حقیقت میں آپ اپنے آپ کو سب سے کم سمجھتے تھے اور بحیثیت تبلیغ جو خدمت عالیہ آپ کے سپرد کی گئی تھی یعنی ہدایت اور رہبری اس کو آپ انجام دیتے، بیعت فرماتے، ذکر و شغل بتلاتے، نفس کے مفاسد و قبائح بیان فرماتے اور معالجہ فرماتے، مگر بایں ہمہ اس کا کبھی وسوسہ آپ کے قلب پر نہیں گزرتا تھا کہ میں عالم ہوں اور یہ جاہل ہیں' میں پیر ہوں اور یہ مرید ہیں' میں مطلوب ہوں اور یہ طالب ہیں۔ مجھے ان پر فوقیت ہے۔ میرا درجہ ان کے اوپر ہے۔ کبھی کسی نے نہ سنا ہوگا کہ آپ نے اپنے خدام کو خادم یا متوسل یا منتسب کے نام سے یاد فرمایا ہو۔ ہمیشہ "اپنے لوگوں" سے تعبیر فرماتے اور دعا میں یاد رکھنے کی ضرورت اپنے لیے طالبین سے زیادہ ظاہر فرمایا کرتے کہ تم میرے لیے دعا کیا کرو میں تمہارے لیے دعا کروں۔ بعض مرید بھی پیر کو تیرا لیتے ہیں۔ (تذکرۃ الرشید ص ۱۷۲ ج ۲)

حضرت شیخ عبدالقدوس قدس سرہ کا حجرہ

دوسری جگہ لکھتے ہیں اپنے متعلق تواضع وانکسار کا یہ حال تھا کہ کبھی کسی تقریر سے اپنی خوبی کا کچھ بھی اثر ظاہر ہوا تو معاً اس کی تردید فرماتے اور اپنے سے اس انتساب کی نفی فرما دیا کرتے تھے۔ ایک بار حضرت شیخ عبدالقدوسؒ کے خرقہ کا تذکرہ فرما رہے تھے کہ پچاس برس حضرت کے بدن پر رہا ہے اس ضمن میں فرمایا اسی حجرہ میں حضرت شیخ اور شیخ جلال تھانی سریٰ رہا کرتے تھے، بیچ میں دیوار حائل تھی تو کہاں تو فقر کا یہ حال تھا اور اب اسی حجرہ میں دنیا بھری پڑی ہے۔ (تذکرۃ الرشید ص ۱۳۹ ج ۲)

مجھ میں کوئی کمال نہیں

حضرت حکیم الامتؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں اپنے کچھ حالات لکھے۔ مولاناؒ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ بھائی ہمیں تو اب تک بھی یہ حالات نصیب نہیں ہوئے۔ کیا ٹھکانہ ہے تواضع کا، پھر فرمایا کہ مولانا گنگوہیؒ نے ایک جگہ قسم کھائی ہے کہ مجھ میں کوئی کمال نہیں ہے۔ بعض مخلص لوگوں کو اس سے شک ہو گیا کہ مولانا میں کمال کا ہونا تو ظاہر ہے تو اس قول سے مولانا کا جھوٹ بولنا لازم آتا ہے پھر ہمارے حضرت (حکیم الامتؒ) نے مولانا کے قول کی تفسیر میں فرمایا کہ بزرگوں کو آئندہ کمالات کی طلب میں موجودہ کمالات پر نظر نہیں ہوتی۔ بس مولانا اپنے کمالات موجودہ کی کمالات آئندہ کے سامنے نفی خیال کرتے تھے۔ (حسن العزیز ص ۱۱)

امام شافعیؒ زندہ ہوتے تو ان کی تقلید کرتا

ایک مولوی صاحب نے مولانا کی تقریر سن کر جوش میں آ کر فرمایا کہ آپ کے پاس آ کر تو حدیث بھی حنفی ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ آپ تو ہر حدیث سے حنفیہ کی تائید فرما دیتے ہیں اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس وقت زندہ ہوتے تو

اس کا جواب نہیں دے سکتے تھے۔ اس پر مولانا سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ یہ کیا کہا اگر امام شافعی زندہ ہوتے تو کیا میں ان کے سامنے بولتا بھی؟ اور بولتا تو کیا؟ میں تو ان کی تقلید کرتا اور امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کو چھوڑ دیتا۔ کیونکہ مجتہد حق کے ہوتے مناسب نہیں ہے کہ مجتہد غیر حق کی تقلید کی جائے اور فرمایا تو یہ تو یہ حضرت امام اگر تشریف فرما ہوتے تو میرا یہ طالب علمانہ شبہ ہوتا اور حضرت امام اس کا جواب دیتے۔ اب اس وقت امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ میں سے کوئی بھی موجود نہیں۔ ان کے اقوال ہم لوگوں کے سامنے ہیں اور اپنے علم کے موافق ترجیح دے لیتے ہیں۔

شیخ کی جگہ کا ادب

امیر شاہ خان صاحب نے نقل کیا ہے کہ حضرت مولانا گنگوہی نے خود مجھ سے بیان فرمایا کہ جب میں ابتداً گنگوہ کی خانقاہ میں آ کر مقیم ہوا ہوں تو خانقاہ میں بول و براز نہ کرتا تھا بلکہ باہر جنگل جاتا تھا کہ شیخ کی جگہ ہے حتیٰ کہ لیٹنے اور جوتا پہن کر چلنے پھرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ (ارواح ثلاثہ ص ۲۸۸)

تم کو ذخیرۂ آخرت جانتا ہوں

حضرت گنگوہیؒ نور اللہ مرقدہ اپنے مکاتیب میں جو مکاتیب رشیدیہ کے نام سے طبع ہوئے ہیں حضرت سہارنپوریؒ کے نام سفر حجاز سے تحریر فرماتے ہیں۔

”آپ کا والا نامہ آیا الفت کو یاد دلایا تم کو ذخیرہ آخرت جانتا ہوں، تم قابل فراموش نہیں ہو دعا کا طلب ہوں۔“

ایک اور خط میں حضرت سہارنپوریؒ کو لکھتے ہیں:

”آپ کا خط آیا، حال معلوم ہوا واردات رجوع الی اللہ تعالیٰ موجب فرحت ہیں۔ حق تعالیٰ کا نہایت شکر کرنا لازم ہے کہ بڑی نعمت کبریٰ ہے کہ بمقابلہ اس کے لاکھوں جہاں مثل پر پشہ بھی نہیں اور اس احقر کو تو نہایت ہی باعث شکر و افتخار ہے کہ اگر خود ایسی

عطیات سے محروم ہے بارے احباب کو عطا متواتر ہے۔

در گور برم از گیسوئے تو تارے
تا سایہ کند برسر من روز قیامت

(مکاتیب ص۴۰)

حضرت سہارنپوری کی نسبت کی کیفیت

ایک اور خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''یہ نسبت یادداشت و احسان تھی کہ کرشمہ اس کا میرے سعید ازلی قرۃ العینین خلیل احمد کو نصیب ہو جس پر ہزار فخر و ناز پر بندہ نا ساز کر کے اپنا وسیلہ قرار دیئے مطمئن بیٹھا ہے۔ اگر چہ خود اس دولت سے محروم رہا مگر ناؤ دان اپنے ان دوستوں کا بنا اگر چہ سوائے [illegible] سے حظ نہ ہو کہ مبدا حوض ہے اور منتہا مزرع مگر تاہم کوئی حصہ سواقی کو بھی ہے۔ گو معتذ بہا نہ ہو...... پھر آپ کی پوری تسلی کرتا [illegible] مولوی صدیق احمد صاحب انبھٹوی کو جو کچھ یہ انکشافات ہیں ان کے ہی قلبی ہیں نہ اس مدبر کی طرف سے سوائے راہ بتانے کے اس کا کام کچھ نہیں۔ ان انوار و واردات سے خود بھی غافل رہا ہے۔ مدت العمر میں اس قسم کا مشاہدہ نہیں کیا ہاں نسبت حضور کا قدر نصیب مقدر حصہ ملا ہے جس کا ہم پلہ ان ہزار ہا انوار کو کچھ نہیں جانتا تو جب خود ان سے غافل ہوں تم کو کہاں سے آگاہ کروں۔ ہاں اس قدر ہے کہ آپ کی نسبت کو جس قدر اس عاجز سے مناسبت ہے مولوی صدیق احمد سے اس قدر مناسبت نہیں۔ وہ حالات اپنے اختیار سے خارج ہیں نہ افسوس سے ہاتھ آئیں نہ مجاہدہ سے حاصل ہوئیں۔ ہاں زیادہ تر مشغولی کرنا ضرور ہے تا کہ وہی حضور ترقی پر آجائے۔ اور میرے واسطے بھی دُعا توجہ فرمائیں کہ بسبب مناسبت

ساتھ ہی رہوں اور دوستوں کی ترقی کا طلب رہوں۔ المرء مع من احب جب اسفل سے اعلیٰ کی طرف مرئی ہے اعلیٰ سے اسفل میں بھی ملحوظ ہے۔ زیادہ بجز دعا ترقی کے اور کیا لکھوں۔

می سوز می دوزو می خروش

واللہ یھدینا و ایاکم

فقط والسلام (مکاتیب ص ۴۶)

اپنا حال لکھ نہیں سکا

ایک اور خط میں مولانا روشن علی خان صاحب کو لکھتے ہیں کہ اپنا جو حال ہے لکھ نہیں سکتا۔ چند باتیں یاد ہیں اور بس فقط (مکاتیب ص ۷۰)

کاش آپ کے حسن عقیدت کی وجہ سے مغفور ہو جاؤں

ایک اور خط میں مولانا موصوف کو لکھتے ہیں کہ:

''حالات آپ لوگوں کے دریافت ہو کر خود شرمندہ و محجوب ہوں کہ آپ کو بندہ کے ساتھ یہ حسن عقیدت ہے اور خود ہیچ در ہیچ ہوں۔ کاش آپ کے حسن عقیدت کی وجہ سے مغفور ہو جاؤں حق تعالیٰ رحم فرمائے۔'' (مکاتیب ص ۷۲)

دُور کی گالیاں

خاں صاحب امیر شاہ خاں نے فرمایا کہ مولوی یحییٰ صاحب کاندھلویؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ مولوی یحییٰ صاحب احمد رضا خاں مدت سے میرا رد کر رہا ہے ذرا اس کی تصنیف ہمیں بھی تو سنا دو۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ سے تو نہیں ہو سکے گا۔ حضرت نے فرمایا کیوں؟ میں نے عرض کیا حضرت اس میں گالیاں ہیں۔ حضرت نے فرمایا اجی دور کی گالیوں کا کیا ہے پڑی (یعنی بلا سے) گالیاں ہوں تم سناؤ۔ آخر اس کے دلائل تو دیکھیں، شاید کوئی معقول

بات ہی لکھی ہو تو ہم ہی رجوع کر لیں۔ (اللہ اکبر یہ ہے حق پرستی کہ اس کے طلب و اتباع کے غلبہ میں دشمن کی بے ہودگی سے بھی متاثر و متغیر نہ ہوں)۔

میں نے عرض کیا مجھ سے تو نہیں ہو سکتا۔ (ھو کقول علی لا امحوک)

یہاں ذرا لیٹ جاؤ

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت والد ماجد مولانا محمد احمد صاحبؒ و عم محترم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ گنگوہ کی خانقاہ میں مجمع تھا حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ کے مرید و شاگرد سب جمع تھے اور یہ دونوں حضرات بھی وہیں مجمع میں تشریف فرما تھے کہ حضرت گنگوہیؒ نے حضرت نانوتویؒ سے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا ''یہاں ذرا لیٹ جاؤ'' حضرت نانوتویؒ ذرا کچھ شرما سے گئے۔ مگر حضرتؒ نے پھر فرمایا تو بہت ادب کے ساتھ چت لیٹ گئے۔ حضرت بھی اسی چارپائی پر لیٹ گئے اور مولانا کی طرف کو کروٹ لے کر اپنا ہاتھ ان کے سینے پر رکھ دیا جیسے کوئی عاشق صادق اپنے قلب کو تسکین دیا کرتا ہے۔ مولانا ہر چند فرماتے ہیں کہ میاں کیا کر رہے ہو، یہ لوگ کیا کہیں گے حضرت نے فرمایا لوگ جو کہیں گے کہنے دو۔ (اس سے زیادہ خودداری کی فنا کی نظیر کیا ہوگی۔ کیا اہل تصنع ایسا کر سکتے ہیں، ان پر موت سے زیادہ گراں ہے اور مولانا گنگوہیؒ کا یہ کمال تھا کہ رنگ فنا خجلت پر غالب تھا اور مولانا نانوتویؒ کا یہ کمال تھا کہ خجلت کو فنا پر مجاہدہ سے غالب کر دیا۔ (ارواح ثلاثہ)

رع ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

طلباء کی جوتیاں

حضرت مولانا گنگوہیؒ ایک مرتبہ حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے کہ بارش آ گئی، سب طلباء کتابیں لے کر اندر کو بھاگے مگر مولانا سب طلباء کی جوتیاں جمع کر رہے تھے کہ اٹھا کر لے چلیں لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو کٹ گئے۔ (ارواح ثلاثہ ص ۳۰۲)

فصل دوم

سیدنا و مولانا حضرت شاہ خلیل احمد صاحب سہارنپوری' مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ کے واقعات

الشیخ مولانا خلیل احمدا مکسو ملة خلة الرحمن
وسمی ابراھیم یوسف دقة من وجهه کا لقلب فی اللمعان

یعنی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب جو کہ حق تعالیٰ شانہ کی محبت کے لباس سے آراستہ ہیں اور حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے ہم نام اور اپنے زمانہ کے یوسف جن کا چہرۂ انور روشنی میں قلب مبارک کی مانند ہے۔ حضرت کے تقویٰ کے واقعات مدرسہ کے معاملات کے تحت آگے آ رہے ہیں۔ یہاں حضرت کمالات میں سے تواضع کے واقعات درج کیے جاتے ہیں۔ واقعات تواضع کی اہمیت صاحب واقعہ کے علو شان اور مرتبہ کے بقدر ہوتی ہے اس بارے میں حضرت مولانا سید ابو الحسن علیؒ میاں صاحب دام مجدہم کتاب حیات خلیل کے مقدمہ میں حضرت کے شیخ اور نامور معاصرین کی رائے یوں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا خلیل احمدؒ صاحب سہارنپوری کو اپنے شیخ و مرشد سے خاص نسبت تھی جس کو مناسب تامہ اعتماد کامل اور

آخری درجہ میں فنائیت فی الشیخ کے الفاظ سے عام طور پر ادا کیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ کو اپنے شیخ کی جامعیت اور ہم رنگی کا بلکہ ایک درجہ میں محبوبیت کا شرف ملا جس کا کسی قدر اندازہ ان الفاظ سے کیا جا سکتا ہے جو حضرت گنگوہیؒ نے اپنے بعض مکاتیب میں آپ کیلئے استعمال کیے ہیں۔

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''اب التفات بندہ کا آپ کی طرف سائلانہ ہے نہ معطیانہ۔ مــن دق باب الکریم افتتح''

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:

''تم کو اپنا فخر اور باعث نجات جانتا ہوں کچھ نہیں ہوں مگر اچھوں سے مربوط ہوں۔''

ایک جگہ آپ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ:

''پس یہ نسبت (یادداشت و احسان) کرشمہ اس کا میرے سعید ازلی قرۃ العینین خلیل احمد کو نصیب ہوئی جس پر ہزار فخر و ناز یہ بندہ ناساز کر کے اپنا وسیلہ قرار دیے مطمئن بیٹھا ہے۔ آپ کی اس جامعیت کا جس میں آپ اپنے شیخ کے پورے جانشین نظر آتے ہیں ہلکا سا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک طرف آپ کی قوت نسبت باطنی، سلوک کے حقائق سے آگاہی اور اس راہ کے نشیب و فراز سے واقفیت حضرت گنگوہیؒ کے خلفاء میں مسلم ہے۔ یہاں تک کہ شیخ المشائخ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری جیسے مبصر اور شیخ کامل نے اپنے جانشین حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ سے وفات کے وقت یہ فرمایا تھا کہ سیاسیات میں جو کچھ مراجعت کرنی ہو حضرت شیخ الہند کی طرف کی جائے مگر سلوک میں حضرت سہارنپوری کی طرف۔ میں نے حضرت کو اس لائن میں بہت اونچا پایا ہے اور اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور شیخ وقت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب جیسے شیوخ کاملین جن کی [illegible]ت سے لاکھوں

انسانوں کو فائدہ پہنچتا ہے آپ کے حلقہ بگوش اور تربیت یافتہ ہیں اور جس کا کچھ اندازہ آپ کے ان مکاتیب سے کیا جا سکتا ہے جو آپ نے اپنے خلفاء اور مریدین کے نام سلوک و تصوف کے مسائل، مقامات و مشکلات کے سلسلہ میں لکھے ہیں۔ دوسری طرف ان کو حدیث کی خدمت کا شرف اور انہماک حضرت گنگوہیؒ کی وراثت وخلافت میں ملا۔ ساری عمر حدیث کا درس دیا۔ ''بذل المجہود'' جیسی بلند پایہ کتاب یادگار چھوڑی جس نے ان کی محدثیت وسعت نظر اور رسوخ فی العلم کا سلسلہ ء چشتیہ صابریہ میں اس اونچے مقام پر فائز ہونے کے بعد جس کا اعتراف شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں کیا تھا'' کہ تم میرے سلسلہ کے فخر ہو، مجھے تم سے بہت خوشی ہے'' دوسری طرف وہ اپنے شیخ کی طرح اس مسلک اور راستہ پر پوری مضبوطی کے ساتھ قائم اور اس کی حقانیت و مقبولیت کے قائل تھے جس کی راہ کم سے کم ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف اور حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صراطِ مستقیم اور حضرت شاہ اسماعیل رشہید رحمۃ اللہ علیہ نے تقویۃ الایمان کے ذریعہ ہموار کی تھی۔ اس باطنی مشغولیت خلوت پسندی، یکسوئی کے ساتھ جو آپ کے شیخ کی خاص نسبت ہے آپ مسلمانوں کے اجتماعی اور ملی نفع کیلئے اجتماعی کاموں میں شریک ہوتے تھے۔ مدرسہ مظاہر العلوم کی صدارت تدریس کی مسند کو زینت بخشی، پھر اس کی سرپرستی قبول فرمائی جو آخر دم تک جاری رہی۔ اسلام کی سربلندی، مقامات مقدسہ اور ممالک اسلامیہ کی آزادی اور ہندوستان اور ہندوستان کے مسلمانوں کے مفاد کیلئے اپنے محب اور محبوب دوست اور برادرِ طریقت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کی کوششوں میں شریک اور ان کے مشیر ان کے سچے ہمدرد اور قدردان رہے اور جہاں تک ہو سکا ان کی تقویت و تائید سے دریغ نہ کیا یہ سب اسی جامعیت کا پرتو تھا جو آپ کو اپنے شیخ کامل سے وراثت و نیابت میں ملی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک اور یگانہ خصوصیت سے نوازا۔ وہ یہ کہ آپ کے چند ممتاز خلفاء اور تربیت یافتہ

حضرات کے ذریعہ نہ صرف سلسلہ چشتیہ صابریہ کا چراغ روشن رکھا بلکہ اس وقت سلوک وتصوف کی جو کچھ رونق اور گرم بازاری نظر آرہی ہے وہ زیادہ تر آپ ہی کے دو چیدہ اور برگزیدہ خلفاء کی مختلف الجہتہ کوششوں اور مقبولیت کا نتیجہ ہے۔ میری مراد حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ صاحب سے ہے۔

اوّل الذکر نے اپنے عہد آفریں اور عالمگیر دعوتی اور تبلیغی تحریک وجد وجہد سے جو مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک اور ایشیا سے لے کر یورپ اور امریکہ تک پہنچ چکی ہے اور آخر الذکر نے اپنی تصانیف درس حدیث اور بیعت وارشاد کے ذریعہ اس طریق اور سلسلہ کے فیوض اس طرح عام کیے ہیں کہ اس سے پہلے اس کی نظیر آسانی سے تلاش نہیں کیا جاسکتی۔

آپ بیتی میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب فرماتے ہیں:

''حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کے تواضع کے قصے تو حضرت قدس سرہ کی خدمت میں سترہ سالہ قیام میں نہ معلوم کتنے دیکھے اس لیے کہ رجب ۲۸ھ میں سہارنپور حاضری ہوئی تھی اور ذی قعدہ ۴۵ھ میں مدینہ پاک میں حضرت نور اللہ مرقدہ سے مفارقت ہوئی۔ ہر ہر موقع پر تواضع وانکسار، نشست وبرخواست میں خوب ہی دیکھنے کے مواقع ملے۔ اسفار میں بھی بہت جگہ ہم رکابی رہی۔ خدام کے ساتھ سامان اٹھانے میں ذرا بھی حضرت کو تامل نہ ہوتا تھا۔ ریل پر اترنے اور چڑھنے میں کچھ سامان حضرت نور اللہ مرقدہ بے تکلف اٹھالیا کرتے تھے۔ خدام عرض کرتے کہ ہمیں دے دیجیے فرماتے کہ وہ بڑا سامان رکھا ہے اُٹھالو۔

دعوتوں میں بھی حضرت کے ساتھ اکثر شرکت ہوئی کبھی امتیازی جگہ پر داعی کی درخواست کے بغیر بیٹھتے میں نے نہیں دیکھا۔ کیف ما اتفق تشریف رکھنے کا ارادہ

کرتے مگر داعی کی درخواست پر ممتاز جگہ بیٹھنے میں بھی انکار نہ کرتے تھے۔

عبارت محاکمہ

ایک مسئلہ میں حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ اور بعض علماء کا اختلاف ہوا تو حضرت حکیم الامت نے حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کو حکم بنانے پر فریق ثانی کو راضی کر لیا جس کی تفصیل خوان خلیل کے جام نمبر ے میں موجود ہے۔ اس پر حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ اس محاکمہ کی تمہید میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت قابل دید ہے۔ وہو ھذہ بندہ ناچیز باعتبار اپنے علم و فن کے اس قابل نہیں کہ علماء اعلام کے اختلافات کا فیصلہ کر سکے مگر ہاں امتثالاً للامر الشریف اس مسئلہ میں جو کچھ خیال میں آیا عرض کرتا ہے۔

حضرت حکیم الامۃ نے اس کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ تواضع اور اظہار حق میں اس طرح جمع کرنا جس درجہ کا کمال ہے ظاہر ہے۔ (خوان خلیل نمبر ۸)

حضرت حکیم الامۃ خوان خلیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ میں حضرات سلف کی سی تواضع تھی کہ مسائل اشکالات علمیہ میں اپنے چھوٹوں سے بھی مشورہ فرماتے تھے اور چھوٹوں کی معروضات کو شرح صدر کے بعد قبول فرما لیتے تھے۔

قبول ہدیہ کا اَدب

ایک بار سفر بہاولپور میں اس احقر سے ارشاد فرمایا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبول ہدایہ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ پہلے سے اشراف نفس نہ ہو مگر سفر میں اکثر داعی کی عادت ہوتی ہے کہ مدعو کو کچھ ہدیہ دیتے ہیں اس عادت کے سبب اکثر خطور بھی ایسے ہدایا کا ذہن میں ہو جاتا ہے تو کیا خطور بھی اشراف نفس و انتظار میں داخل ہے جس کے بعد ہدیہ لینا خلاف سنت ہے۔ اس حقیر میں کیا قابلیت تھی کہ ایسے عظیم الشان عالم اور عارف کے استفسار کا جواب دے سکوں لیکن لہجہ چونکہ استفسار بالجواب پر دال تھا اس لیے الامر فوق الادب کی بنا پر جواب عرض کرنا

ضروری تھا۔ چنانچہ میں نے عرض کیا کہ میرے خیال میں اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اس احتمال کے بعد دیکھا جاوے کہ اگر وہ احتمال واقع نہ ہوتو آیا نفس میں کچھ ناگواری پیدا ہوتی ہے یا نہیں۔ اگر ناگواری ہوتو اس احتمال کا خطور اشراف نفس ہے اگر ناگواری نہ ہوتو اشراف نفس نہیں ہے۔ خالی خطرہ ہے جو احکام میں موثر نہیں۔ اس جواب کو بہت پسند فرمایا اور دعا دی۔ یہ واقعہ ذکر کرنے کے بعد حضرت حکیم الامتؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس واقعہ میں جو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کیلئے چند کمالات ثابت ہوتے ہیں۔ ایک تو اضع جس کے سلسلہ میں یہ واقعہ ذکر کیا گیا ہے دوسرے دقیق تقویٰ کہ اکثر اشراف کے احتمال بعید تک نظر پہنچی اور اس پر عمل کا اہتمام ہوا تیسرے اتباع سنت جیسا کہ ظاہر ہے۔ چوتھے اپنے معاملہ میں اپنے نفس کو متہم سمجھا کہ اپنی رائے پر وثوق نہیں فرمایا۔ ورنہ جس کی نظر اتنی دقیق ہو کیا اس فیصلہ تک وہ نظر نہیں پہنچ سکتی تھی۔

بیعت کے الفاظ

تذکرۃ الخلیل میں حضرت سہارنپوری کا معمول لکھا ہے کہ اعلیٰ حضرت گنگوہی کی حیات میں اوّل تو کسی کو بیعت نہیں فرماتے تھے اور اگر کسی کو شدید اصرار پر بیعت کرتے بھی تو یہ الفاظ کہلواتے تھے "بیعت کرتا ہوں میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے خلیل احمد کے ہاتھ پر۔"

شیخ پورہ کی دعوت

شیخ پورہ کی دعوت کا قصہ جس میں یہ ناکارہ (یعنی حضرت شیخ الحدیث صاحب) خود بھی شریک تھا اور حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ بھی شریک تھے۔ اس کو حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا: فرماتے ہیں کہ ایک بار سہارنپور میں بڑے جلسہ (سالانہ جلسہ مظاہر العلوم) میں جانا ہوا۔ بعد جلسہ گاؤں والوں نے مولانا (یعنی حضرت سہارنپوریؒ) کو مع خدام اور احقر کو مدعو کیا اور اس سے دوسرے دن ایک تاجر

چاول مقیم سہار نپور نے ہم سب کی مع بعض مہمانان مقیمین دعوت کی مولانا نے وعدہ فرمالیا کہ گاؤں سے صبح کو واپس آ کر دوپہر کا کھانا تمہارے ہاں کھالیں گے۔ شام کو گاؤں گئے اور شب کو وہاں مقیم رہے پھر صبح کو عین ایسے وقت کہ خوب زور سے بارش ہو رہی تھی اسٹیشن پڑی پر سوار ہوئے اہل موضع ایسے وقت کے سفر کو گوارہ نہ کرتے تھے اور قیام پر مصر تھے لیکن چونکہ ان سوداگر صاحب سے وعدہ تھا اس لیے بھیگتے ہوئے ریل پر پہنچے اور سہار نپور اُترے تانگہ میں بیٹھے ہوئے مدرسہ کو آ رہے تھے کہ راستہ میں وہ سوداگر صاحب ملے۔ مولانا نے گاڑی ٹھہرا کر یا آہستہ کرا کر (یاد نہیں) ان کو اپنی واپسی کی اطلاع کی، ہم لوگ اپنے وعدہ پر آ گئے ہیں تو آپ کیا مزے کا جواب دیتے ہیں کہ مجھ کو اُمید واپسی کی نہ تھی اس لیے میں نے کچھ سامان نہیں کیا اب کل صبح کی دعوت ہے اس وقت مولانا کا حلم اور میرا غصہ دیکھنے کے قابل تھا مگر بوجہ ادب کے غصہ ظاہر نہ کرسکتا تھا اور مولانا نے منظور فرمالیا اور کھڑے چڑھے سب مہمانوں کا انتظام فرمانا پڑا۔

اگلے دن کی دعوت سے میں نے عذر کر دیا جس کی اصل وجہ تو غصہ تھی مگر ظاہر عذر یہ کیا کہ سویرے بھوک نہیں لگتی اور دیر میں ریل نہ ملے گی مجھ کو کل وطن جانا ضروری ہے۔ مولانا نے سفارش فرمائی کہ دعوت میں شریک ہو جانا اگر رغبت ہوئی کچھ کھا جانا ورنہ اصرار نہ ہوگا۔ چنانچہ اگلے روز سب ان کے مکان پر پہنچے اور کھانا لایا گیا، میں بھی بیٹھا رہا مگر کھانے کی خواہش نہیں ہوئی۔ کچھ تو غصہ کے سبب اور کچھ خلاف معمول ہونے کے سبب، تھوڑی دیر میں اجازت لے کر مکان سے باہر آیا اور صاحب دعوت کو بھی فرمائش کر کے ہمراہ لایا اور باہر آ کر ان کی اس نامعقول حرکت پر اچھی طرح کان کھولے اور توبہ کرائی اس قصہ پر حضرت حکیم الامت خوان خلیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس سے مولانا کا حلم ظاہر ہے اور حلم بھی اتنے درجہ کا کہ میں اس میں ساتھ نہیں دے سکا اور اس قصہ پر حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم آپ بیتی میں فرماتے ہیں کہ بندہ کے خیال میں تو اس قصہ میں حضرت سہار نپوری

سے زیادہ حضرت الامۃ کی تواضع ہے کہ اس غصہ اور تکدر کے باوجود حضرت سہارنپوری کے کہنے پر دعوت بھی قبول کر لی اور حضرت کے سامنے کچھ ڈانٹ بھی نہیں پلائی۔ الگ لے جا کر ڈانٹا۔

بذل المجہود

بذل المجہود کی تالیف میں جب بھی کوئی اہل علم میں سے آتا اور ایک دو دن قیام کرتا اور حضرت بڑے اہتمام سے بذل کا مسودہ ان کے حوالے کرتے کہ غور سے دیکھیں اور کوئی چیز قابل اصلاح ہو تو ضرور متنبہ فرمائیں اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جو بعد میں صدر مدرس مظاہر العلوم سہارنپور بھی ہو گئے تھے ان کے ذمہ تو مستقل نظر ثانی تھی اور مولانا مرحوم بہت ہی اہتمام سے نظر ثانی کیا کرتے اور جہاں جہاں مولانا نشان لگاتے حضرت ان کو دوبارہ بہت غور سے ملاحظہ فرماتے اور اصلاح کی ضرورت سمجھتے تو اصلاح یا توسیع فرماتے۔

تذکرۃ الخلیل میں ایک قصہ لکھا ہے کہ آپ کو اپنے کسی کمال پر ناز نہ تھا اور نہ ضد تھی۔ ایک بار آپ تھانہ بھون گئے اور فساد صلوٰۃ بمحاذاۃ النساء کے مسئلہ میں مولوی احمد حسن سنبھلی کا حضرت سے مکالمہ ہوا۔ حضرت تو حنفیہ کے قول کو قوی فرما رہے تھے اور مولوی احمد حسن ضعیف۔ حضرت نے فرمایا پہلے میری تقریر سن لو پھر جو کچھ کہنا ہو وہ کہنا مگر مولوی صاحب نے درمیان میں آپ کا کلام قطع کرنا شروع کر دیا۔ حضرت کو تکدر ہوا اور لہجہ میں تیزی آ گئی۔ مولوی احمد حسن بھی تیزی پر آ گئے۔ تب آپ نے تحمل کیا اور خاموش ہو گئے۔ جب آپ ریل پر آنے لگے تو آپ نے خود ابتداء سلام کیا اور مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھا کر فرمایا اگر مجھ سے کچھ گستاخی آپ کی شان میں ہو گئی ہو تو معاف فرما دینا۔ اس بندۂ خدا نے اس پر بھی کوئی معذرت نہ کی۔

(تذکرۃ الخلیل ص ۲۹۷)

نوٹ: بعد میں مولوی صاحب موصوف کی تھانہ بھون سے بھی علیحدگی ہوئی اور حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کو بھی بہت تکدر رہا کہ ان کو اپنے علم پر بہت ہی گھمنڈ

پیدا ہو گیا تھا۔

سخت ترین گرمی میں روزہ

آپ بیتی میں ہے کہ مفتی محمود صاحب نے ایک واقعہ بروایت مولوی منفعت علی صاحب وکیل بیان فرمایا کہ سخت ترین گرمی اور لو کا زمانہ تھا۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کی طبیعت ناساز چل رہی تھی۔ پیچش کی شدید تکلیف تھی۔ حضرت نے کئی روز تک دوا سے افطار پر قناعت کی کوئی غذا نہیں کھائی۔ جمعہ کا دن تھا مولوی عبداللہ جان وکیل بھی مدرسہ میں جمعہ پڑھنے آئے انہوں نے دیکھا کہ چہرہ نہایت پژمردہ ہے اور ضعیف و نقاہت کے آثار نمایاں ہیں۔ وہ تو یہ حالت دیکھ کر ستون کے پیچھے ہو کر رونے لگے اور مولانا حافظ عبداللطیف صاحب ناظم مدرسہ مظاہر العلوم نے عرض کیا کہ حضرت کا کئی روز سے فاقہ ہے تکلیف زیادہ ہے، روزہ قضا فرما دیتے آخر فقہاء نے رخصت لکھی ہے اور مولوی عبداللہ جان تو رو رہے ہیں۔ حضرت کا چہرہ فوراً متغیر ہو گیا اور فرمایا کہ حافظ صاحب کیسی بات کہتے ہیں۔ ارے روزہ! اور پھر رمضان کا روزہ اور پھر ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ مقلب القلوب ہیں کہ مولوی عبداللہ جیسا کوہ وقار انسان بھی متاثر ہو جائے'' ایسے ہی واقعات کے متعلق میرے اس رسالہ 'آپ بیتی' میں اپنے اکابر کے متعلق کئی دفعہ گزر چکا ہے۔

دولہا کا لباس

آپ کسی تقریب نکاح میں میرٹھ تشریف لائے، لڑکے والوں نے درخواست کی کہ تبرکاً دولہا کو کپڑے حضرت پہنائیں۔ آپ وہاں تشریف لے گئے جہاں دولہا غسل کے بعد کپڑے پہننے کا منتظر تھا۔ بندہ بھی (مولوی عاشق الٰہیؒ صاحب) کے ساتھ تھا۔ کرتا پاجامہ تو آپ نے اٹھا کر دے دیا اچکن کا نمبر آیا تو آپ نے کہا دیکھنا کیا ریشم کی ہے۔ میں نے غور سے دیکھ کر عرض کیا جی حضرت ریشم ہی معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے اس کو رکھ دیا اور فرمایا کہ اس کا پہننا اور پہنانا حرام ہے۔ پھر ٹوپی

دیکھی تو وہ بھی مفرق۔ اس پر حضرت نے تیز لہجہ میں فرمایا۔ یہ بھی حرام ہے۔ لڑکے والے کچھ محتاط نہ تھے انہوں نے حضرت کے انکار کی پرواہ نہ کی خود اُٹھا کر دولہا کو پہنا دیا۔ حضرت کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا مگر تحمل فرمایا اور مجھ سے یہ کہہ کر چلو، وہاں سے واپس ہو گئے۔ آپ قیام گاہ پر تشریف نہیں لائے بلکہ رنج وقلق کے ساتھ حاجی وجیہہ الدین صاحب مرحوم کے مکان پر تشریف لے گئے۔ فرمایا یہ کیا تعلق ہے معصیت میں شریک کرنے کو بلاتے ہیں۔ اس نکاح میں شریک ہونے والے سب گنہگار ہوں گے، جہاں دولہا حرام لباس پہنے بیٹھا ہو کہ کوئی عامل ہو کوئی اس پر راضی۔ یہ سن کر سب میں ہلچل مچ گئی کہ برادری کا قصہ تھا اور حضرت کے ساتھ کئی لوگوں کا تعلق تھا نہ حضرت کو چھوڑ سکے نہ برادری کو۔ دوڑے ہوئے گئے کہ کسی طرح دولہا کے کپڑے بدلوا دیں مگر بہتیرے تھے جن کو نہ حضرت سے تعلق تھا نہ اتباع شریعت کا اہتمام۔ اس لئے وہ تبدیل لباس کو نحوست اور بدشگون سمجھتے اور کہتے تے کہ جو دلہن کے یہاں سے جوڑا آیا ہے وہی پہننا ضروری ہے، مگر یہ دوڑ دوپ کرنے والے سربرآوردہ اور مرید تھے۔ آخر کامیاب ہوئے اور حاجی وجیہہ الدین صاحب مصری کپڑے کی بیش قیمت اپنی اچکن نکال کر جلدی سے پہنچے کہ اس سے بہتر اچکن تو دولہا کو پورے ہندوستان میں نصیب نہ ہوگی۔ وہ پہن کر اور ٹوپی کی جگہ عمامہ بندھوا کر حضرت کے سامنے لے آئے کہ حضرت اب تو تشریف لے چلیں۔ اس وقت آپ اٹھے اور شریک عقد ہوئے ایسا ہی ایک قصہ دہلی میں پیش آیا۔ تو اس میں بھی حضرت نے دولہا کا لباس حرام ہونے کی وجہ سے نکاح میں شرکت نہیں فرمائی۔

بیعت کے وقت ہدیہ

تذکرۃ الخلیل میں لکھا ہے کہ بیعت کرنے پر اثر حضرت کی خدمت میں نذر پیش کی گئی تو حضرت نے کبھی قبول نہیں فرمائی کہ صورتاً یہ توبہ کرانے کا معاوضہ بن جاتا ہے اور اس رسم کے مشابہ ہے جو آج کل دنیادار پیروں میں چل رہی ہے، ہاں اس کے بعد اُنس ومحبت کا تعلق پیدا ہو کر اگر کوئی قلیل سے قلیل ہدیہ بھی پیش کرتا تو

مسنون طریقہ پر آپ اسے بخوشی قبول فرمالیتے۔

حضرت شیخ الہند کا پہلا وعظ

میندھو میں چوہدری لیاقت علی خاں کی کوٹھی پر ایک مرتبہ ان سب حضرات کا اجتماع ہوا اور لوگوں نے خواہش ظاہر کی کہ کسی طرح حضرت شیخ الہند کا وعظ سنتے۔ مولوی میر شاہ خان بولے کہ اس میں کامیابی ہوسکتی ہے تو صرف مولانا خلیل احمد کو وہی ایسی ہستی ہے جو مولانا سے بزور کہہ سکتی ہے اور مولانا ان کی بات کو نیچا نہیں ڈال سکتے۔ ورنہ سچ یہ ہے کہ ہم بھی ہمیشہ اسی ارمان میں رہے اور اب تک حضرت کا وعظ نہیں سنا۔ چنانچہ سب لوگ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آج تو کسی طرح مولانا کا وعظ سنوا دیجیے۔ حضرت نے فرمایا بہت بہتر اور اس کے بعد مولانا کے پاس واپس آکر بے تکلف لہجہ میں فرمایا ''دوستوں کی خواہش ہے کہ آج بعد ظہر کچھ بیان فرمادیجیے۔ مولانا نے جو کہ استاذ الکل ہوکر ادنیٰ طالب علم اپنے سے افضل سمجھتے تھے فرمایا مجھے تو وعظ کہنا ہی نہیں آتا۔ حضرت نے کہا یہ کون کہتا ہے کہ آپ کو وعظ کہنا آتا ہے اور آپ وعظ کہیں۔ درخواست یہ ہے کہ جس طرح مدرسہ میں بیٹھ کر حدیث کا ترجمہ فرماتے ہو یہاں مسجد میں بیٹھ کر کسی حدیث کا ترجمہ سنا دو، حضرت مولانا کی اس وقت عجیب حالت تھی کہ نہ اقرار کیے بن پڑتی تھی اور نہ انکار کیے۔ آخر جب دیکھا کہ مضر نہیں تو فرمایا اچھا مگر اس شرط پر کہ تم موجود نہ ہو۔ حضرت نے فرمایا بہت اچھا مجھ سے اتنی وحشت ہے تو میں بعد نماز چلا آؤں گا۔ میری وجہ سے یہ صدہا لوگ کیوں محروم رہیں۔ حضرت مولانا مسکرا کر چپ ہو گئے اور حضرت نے لوگوں سے کہہ دیا کہ جایئے درخواست منظور ہے اور بعد ظہر مولانا کا بیان ہوگا۔

چنانچہ بعد ظہر مولانا کو ممبر پر بیٹھنے کا اصرار کیا گیا مگر آپ نہ اُٹھے اور جب دیکھ لیا کہ مولانا خلیل احمد صاحب سنتیں پڑھ کر روانہ ہولیے تو بیچ کے در میں بیٹھ کر بیان شروع فرمایا۔ میں بھی حاضر تھا کیا کہوں کہ اس سادہ ترجمہ اور پست لہجہ کی مسلسل تقریر میں کیا شیرینی تھی جس کی حلاوت زبان قلب میں آج تک موجود ہے۔

حضرت نے جب دیکھا کہ وعظ شروع ہو گیا تو باہر باہر دوسرے راستے سے آ کر اندر دالان میں اس طرف بیٹھ گئے جدھر مولانا کی پشت تھی اور بیان ختم ہونے پر جلدی جلدی اسی راستہ سے اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے، دوسرے وقت جب اجتماع ہوا تو حضرۃ نے فرمایا تم نے بہتیرا چاہا کہ سب وعظ سنیں مگر خلیل نہ سنے لیکن ہم نے سن ہی لیا۔ حضرت نے فرمایا کس طرح؟ فرمایا ہم بھی تمہارے پس پشت ایک گوشہ میں آ بیٹھے مولانا نے فرمایا پشت پناہ بننے کیلئے تم آئے کدھر سے؟ اور وعدہ کرنے کے بعد خلاف کیسے کیا؟ فرمایا میں نے تو یہی کہا تھا کہ نماز کے بعد چلا جاؤں گا، یہ تو نہیں کہا تھا کہ پھر مسجد ہی میں نہ جاؤں گا اور آخر اس کی کوئی وجہ بھی کہ عمر بھر میں ایک ہی وعظ ہوا اور وہی ہمارے کانوں میں نہ پڑے۔ غرض دیر تک انبساط کے ساتھ مزاح ہوتا رہا اور حاضرین اس کا مزہ لیتے رہے۔[1]

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی حلقہ درس میں

حضرت کو دارالعلوم آئے ہوئے ایک سال بھی نہ ہوا تھا کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی بارہ سال کی عمر میں بغرض تعلیم دارالعلوم آئے گلستان میزان سے اپنی تعلیم شروع کی ان کے بھائیوں نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ سے عرض کیا کہ تبرکاً تعلیم شروع فرما دیں۔ مگر انہوں نے حضرت مولانا سے فرمایا کہ وہ شروع کرائیں اور پھر آپ نے شروع کر دیا۔ (حیات خلیل ص ۱۵۹)

---

[1] (حضرت شیخ الہند کا ایک وعظ کا قصہ مشہور ہے جو ارواح ثلثہ میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مراد آباد کے جلسہ میں تشریف لے گئے۔ لوگوں نے وعظ کیلئے اصرار کیا۔ مولانا نے عذر فرمایا کہ مجھے عادت نہیں ہے مگر لوگوں نے نہ مانا۔ کھڑے ہوئے اور حدیث فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد پڑھی اور اس کا ترجمہ کیا کہ ایک عالم شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے۔ وہاں ایک مشہور عالم تھے کھڑے ہوئے اور کہا کہ یہ ترجمہ غلط ہے اور جس کو ترجمہ بھی صحیح کرنا نہ آئے تو اس کو وعظ کہنا جائز نہیں۔ پس مولانا فوراً ہی بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے وعظ کی لیاقت نہیں ہے مگر ان لوگوں نے نہ مانا۔ خیر اب میرے پاس عذر کی دلیل بھی ہو گی یعنی آپ کی شہادت پھر حضرت مولانا نے ان بزرگ سے بطرز استفادہ پوچھا کہ غلطی کیا ہے تاکہ آئندہ بچوں۔ انہوں نے فرمایا اشد کا ترجمہ اثقل کا نہیں آتا بلکہ اضر کا آتا ہے۔ مولانا نے فی الفور فرمایا کہ حدیث وحی میں ہے یاتینی مثل صلصلة الجرس وھو اشد "علیّ"۔ کیا یہاں بھی اضر کے معنی ہیں وہ دم بخود رہ گئے)۔

فصل سوم

مدارس کے معاملات میں اکابرین کا تقویٰ اور مدارس کی سرپرستی

قدوۃ الاتقیاء حضرت مولانا الحاج شاہ عبدالرحیم صاحب نور اللہ مرقدہ سرپرست دارالعلوم دیوبند ومظاہر علوم سہارنپور کا یہ مقولہ بہت مشہور تھا کہ مجھے مدارس کی سرپرستی سے جتنا ڈر لگتا ہے اتنا کسی سے نہیں لگتا۔ اگر کوئی شخص کسی کے یہاں ملازم ہو اور وہ مالک کے کام میں کچھ کوتاہی کرے خیانت کرے کسی قسم کا نقصان پہنچائے۔ ملازمت سے علیحدہ ہوتے ہوئے یا مرتے وقت مالک سے معاف کرا لے تو وہ معاف ہوسکتا ہے لیکن مدرسوں کا روپیہ جو عام غرباء اور مزدوروں کے دو دو پیسے ایک ایک آنہ کا چندہ ہوتا ہے ہم سب سرپرستان مدرسہ اس کے مالک تو ہیں نہیں امین ہیں۔ اگر اس مال کے اندر افراط وتفریط ہو تو ہم لوگوں کے معاف کرنے سے معاف تو نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ دوسروں کے مال میں ہم کو معافی کا کیا حق ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ ہم اگر بمصالح مدرسہ چشم پوشی کریں تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ ہم سے درگزر فرمالے لیکن اگر اپنے ذاتی تعلقات سے ہم لوگ تسامح کریں تو ہم بھی جرم کے اندر شریک ہیں، لیکن جرم کرنے والے سے کسی حال میں

بھی معاف نہیں ہوسکتا کہ حقوق العباد ہے اور جن کا مال ہے وہ اتنے کثیر کہ معاف کرایا نہیں جاسکتا۔

مولانا احمد علی صاحب کا تقویٰ

حضرت اقدس شیخ المشائخ مولانا الحاج احمد علی صاحب محدث سہارنپوری بخاری ترمذی کتب حدیث کے محشی اور مشہور عالم محدث ہیں۔ جب مظاہر علوم کی قدیم تعمیر کے چندہ کے سلسلہ میں کلکتہ تشریف لے گئے کہ وہاں مولانا کا اکثر قیام رہا ہے اور وہاں کے لوگوں سے وسیع تعلقات تھے تو مولانا مرحوم نے سفر سے واپسی پر اپنے سفر کے آمد و رفت کا مفصل حساب مدرسہ میں داخل کیا تو وہ رجسٹر میں نے (حضرت شیخ الحدیث) خود پڑھا۔ اس میں ایک جگہ لکھا تھا کہ کلکتہ میں فلاں جگہ میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا تھا اگرچہ وہاں چندہ خوب ہوا لیکن میرے سفر کی نیت دوست سے ملنے کی تھی۔ اس لیے وہاں کی آمد و رفت کا اتنا کرایہ آمد و رفت سے وضع کرلیا جائے۔

حضرت مولانا مظہر صاحبؒ نانوتوی کا تقویٰ

حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتوی قدس سرہ (جو گویا مظاہر علوم کے بانی ہیں) کا یہ معمول میری جوانی میں (یعنی حضرت شیخ الحدیث صاحب) عام سے مشہور اور لوگوں کو معلوم تھا کہ مدرسہ کے اوقات میں جب کوئی مولانا قدس سرہ کا کوئی عزیز ذاتی ملاقات کیلئے آتا تو اس سے باتیں شروع کرتے وقت گھڑی دیکھ لیتے اور واپسی پر گھڑی دیکھ کر حضرت کی کتاب میں ایک پرچہ رکھا رہتا تھا اس پر تاریخ وار منٹوں کا اندراج فرما لیتے تھے اور ماہ کے ختم پر ان کو جمع فرما کر اگر نصف یوم سے کم ہوتا تو آدھے روز کی رخصت اور اگر نصف یوم سے زائد ہوتا تو ایک یوم کی رخصت مدرسہ میں لکھوا دیتے۔ البتہ اگر کوئی فتویٰ وغیرہ پوچھنے آتا تو اس کا اندراج نہیں فرماتے تھے۔

حضرت سہارنپوری کی تنخواہ لینے سے معذوری

حضرت قدس سرہ سید مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ جب ایک سالہ قیام حجاز کے بعد آخر ۳۴ھ میں مظاہر علوم واپس تشریف لائے تو میرے والد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نور اللہ مرقدہ کا شروع ذیقعدہ میں انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت نے مدرسہ سے تنخواہ لینے سے یہ تحریر فرما کر انکار کر دیا تھا کہ میں نے ضعف و پیری کی وجہ سے کئی سال سے مدرسہ کا کام پورا نہیں کر سکتا لیکن اب تک مولانا یحییٰ صاحب میری نیابت میں دورہ کے اسباق پڑھاتے تھے اور تنخواہ نہیں لیتے تھے۔ وہ میرا ہی کام سمجھ کر کرتے تھے اور میں اور وہ دونوں مل کر ایک مدرس سے زیادہ کام کرتے تھے۔ اب چونکہ ان کا انتقال ہو چکا ہے اور میں مدرسہ کی تعلیم کا پورا کام بخوبی نہیں کر سکتا اس لیے قبول تنخواہ سے معذور ہوں۔ اس پر حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب نور اللہ مرقدہ سے بڑی طویل تحریرات ہوئیں۔

حضرت رائے پوری نے لکھا کہ آپ کے وجود کی مدرسہ کو سخت ضرورت ہے۔ آپ کے وجود سے مدرسہ کا سارا انتظام باحسن وجوہ قائم ہے۔ اس لیے آپ کو مدرسہ اب تعلیم کی تنخواہ نہیں دے گا بلکہ ناظم مدرسہ کی تنخواہ دے گا۔ حضرت کی مدرسہ میں تشریف نہ رکھنے سے مدرسہ کا سخت نقصان ہے۔

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے حضرت رائے پوری کی تائید فرمائی اور اس پر حضرت سہارنپوریؒ نے تنخواہ لینی قبول فرمائی۔ (آپ بیتی)

تنخواہ میں اضافہ

اس سے قبل کا قصہ تو بہت ہی مشہور ہے کہ حضرت سہارنپوری کی تنخواہ صرف چالیس تھی اور عرصہ تک یہی رہی اور جب بھی ممبران مدرسہ کی طرف سے حضرت کی ترقی کا مسئلہ پیش ہوتا تو حضرت ارشاد فرماتا کہ میری حیثیت سے یہ بھی زیادہ ہے مگر جب ماتحت مدرسین کی تنخواہ چالیس تک پہنچ گئی تو ممبران نے اصرار کیا کہ آپ کی وجہ

سے نیچے کی مدرسین کی تنخواہ رک جائے گی کہ صدر مدرس سے دوسروں کی تنخواہ بڑھ جائے۔ اس پر حضرت نے اضافہ قبول فرمایا۔

حضرت شیخ الہند کا تقویٰ

حضرت شیخ الہند کے متعلق بھی اسی نوع کا قصہ معروف ہے کہ حضرت نے پچاس سے زیادہ کا اضافہ قبول نہیں فرمایا لیکن عرصہ کے بعد اسی اشکال کی وجہ سے حضرت نور اللہ مرقدہ نے اضافہ قبول فرمایا۔ (آپ بیتی)

حضرت سہارنپوری کا مدرسہ کی اشیاء کو استعمال نہ کرنا

میں نے خود تو یہ واقعہ نہیں دیکھا مگر دو واسطوں سے سنا ہے کہ حضرت اقدس سہارنپوری کی خدمت میں ایک صاحب عزیزوں میں سے جو بڑے رتبہ کے آدمیوں میں سے تھے ملاقات کیلئے تشریف لائے۔ حضرت سبق پڑھا رہے تھے اختتام سبق تک تو حضرت نے توجہ بھی نہ فرمائی، ختم سبق کے بعد حضرت ان کے پاس تشریف لائے، انہوں نے اصرار کیا کہ حضرت اسی جگہ تشریف رکھیں، حضرت نے ارشاد فرمایا مدرسہ نے یہ قالین صرف سبق پڑھانے کیلئے دیا ہے ذاتی استعمال کیلئے نہیں اس لیے اس قالین سے علیحدہ بیٹھ گئے البتہ یہ واقعہ میرا ہمیشہ کا دیکھا ہوا ہے کہ مدرسہ قدیم (دفتر مدرسہ) میں حضرت کی ہمیشہ چار پائی رہتی تھیں انہیں پر حضرت آرام بھی فرماتے تھے ان ہی پر بیٹھتے تھے، مدرسہ کی اشیاء کو استعمال کرتے ہوئے میں نے نہیں دیکھا۔ (آپ بیتی)

جلسہ کے موقع پر بھی اپنے گھر کا کھانا کھانا

مظاہر علوم کا جب سالانہ جلسہ ہوتا تھا میں نے اکابر مدرسین میں سے کبھی کسی کو جلسہ کے کھانے یا چائے یا پان کو کھاتے نہیں دیکھا۔ جملہ مدرسین حضرات اپنا اپنا کھانا کھاتے تھے جب بھی وقت ملے۔ حضرت قدس سرہ مدرسہ کے خصوصی مہمانوں کے ساتھ کھاتے تھے لیکن حضرت کے مکان سے دس بارہ آدمیوں کیلئے کھانا آتا تھا

جو متفرق مہمانوں کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا۔ اسی میں سے حضرت نوش فرماتے تھے۔ مدرسہ کی کوئی چیز کھاتے نہیں دیکھا۔ مولانا عنایت علی صاحب مہتمم دوشب و روز مدرسہ کے اندر رہتے اور ظہر کے وقت یارات کے بارہ بجے اپنے دفتر کے کونے میں بیٹھ کر ٹھنڈا اور معمول کھانا تنہا کھا لیتے تھے۔ مولانا ظہور الحق صاحب مدرس مدرسہ اس زمانہ میں مطبخ طعام کے منتظم ہوتے تھے اور چوبیس گھنٹہ مطبخ کے اندر رہتے تھے لیکن سالن، چاول وغیرہ کا نمک کسی طالب علم سے چکھواتے تھے خود نہ چکھتے تھے۔ جب وقت ملتا اپنے گھر جا کر کھانا کھا آتے اسی طرح سے دیگر اکابر مدرسین کو میں نے کوئی شے مدرسہ کی چکھتے نہیں دیکھا۔ ان سب احتیاط کے باوجود حضرت سہارنپوری قدس سرہ جب ۴۴ھ میں مستقل قیام کے ارادے سے حجاز مقدس تشریف لے گئے تو اپنا ذاتی کتب خانہ یہ فرما کر مدرسہ کے اندر وقف کر گئے تھے کہ نہ معلوم مدرسہ کے کتنے حقوق ذمہ رہ گئے ہوں گے۔

سالن گرم کرنے کا معاوضہ حضرت مولانا یحییٰ صاحبؒ کا تقویٰ

میرے والد صاحب کے زمانہ میں مدرسہ کا مطبخ جاری نہیں ہوا تھا نہ مدرسہ کے قریب کسی طباخ کا مکان تھا گھر والوں کے نہ ہونے کے زمانے میں جامع مسجد کے قریب ایک طباخ کی دکان تھی جس کا نام اسماعیل تھا۔ اس کے یہاں سے کھانا آیا کرتا تھا سردی کے زمانہ میں وہاں سے کھانا آتے آتے خصوصاً شام کو ٹھنڈا ہو جاتا تھا تو سالن کے برتن کو مدرسہ کے حمام کے سامنے اندر نہیں بلکہ باہر رکھوا دیتے تھے۔ اس کی تپش سے وہ تھوڑی دیر میں گرم ہو جاتا تھا تو یہ فرما کر دو تین روپے ہر ماہ چندہ کے اندر داخل فرمایا کرتے تھے کہ مدرسہ کی آگ سے انتفاع ہوا ہے۔ تنخواہ تو میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنے سات سالہ قیام مدرسہ میں کبھی لی ہی نہیں۔

مدرسہ کا قلم دان

حضرت مولانا الحاج عنایت الٰہی صاحب مہتمم مدرسہ اللہ ان کو بہت ہی بلند

درجات عطا فرمائے۔ مدرسہ کے مہتمم بھی تھے منشی بھی تھے اور عدالتی تمام کاروائیاں ان ہی کے ذمہ تھیں اور اس معنی کہ محصل چندہ شہر بھی تھے کہ محصل چندہ شہر جب کسی کے متعلق یہ کہتا کہ فلاں صاحب نے چندہ نہیں دیا دو مرتبہ جاچکا ہوں تو حضرت مہتمم صاحب اپنے گھر آتے یا جاتے ہی اس کے گھر جاتے اور خوشامد فرماتے کہ تمہارا چندہ نہیں آیا۔ ان کی خوبیوں کا بیان تو اس مختصر تحریر میں آ نہیں سکتا لیکن دفتر کے اندر ان کے پاس دو قلمدان رہتے تھے ایک ذاتی اور دوسرا مدرسہ کا۔ ذاتی قلمدان میں کچھ ذاتی کاغذ رہتے۔ اپنے گھر کوئی ضروری پرچہ بھیجنا ہوتا تو اپنے قلمدان سے لکھتے مدرسہ کے قلمدان سے کبھی نہیں لکھتے تھے گرمیوں میں سات بجے کے قریب اور سردیوں میں آٹھ بجے کے قریب آتے اور عصر کے بعد تشریف لے جاتے۔ ساری دوپہر کام کرتے اور آتے ہوئے اہل چندہ کے گھر ہوتے ہوئے آتے لیکن حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ نے ایک مرتبہ دوسرے ملازمین کی ترقی کے ساتھ یہ کہہ کر ان کی ترقی روک دی تھی کہ مدرسہ کے اندر دیر سے تشریف لاتے ہیں۔ میں نے ہر چند عرض کیا کہ حضرت ۶ گھنٹے سے زیادہ کام کرتے ہیں۔ بار بار سفارش اور اصرار بھی کیا لیکن حضرت فرماتے رہے کہ مدرسہ کے اوقات کی پابندی ملازم کیلئے ضروری ہے۔

حضرت مہتمم (مولانا عنایت الٰہی صاحب) کی جدوجہد اور جانفشانی:

ہمہ تن مدرسہ کے امور میں اشتغال اتنے کثیر واقعات ہیں جو اس قابل تھے کہ ان کی مکمل سوانح لکھی جائے۔ آخر زمانہ حیات میں امراض کی کثرت اور ضعف کی وجہ سے میں نے یہ تجویز پیش کی کہ حضرت مہتمم صاحب کی پنشن ہو جائے۔ مہتمم صاحب مدرسہ کے ابتدائی قیام کے وقت میں ابتدائی طالب علموں میں تھے۔ اس کے بعد معین مدرسہ ہوئے اور ترقی فرماتے ہوئے مدرس دوم تک پہنچے۔ دوسرے

کے اسباق بھی اس زمانہ میں مرحوم کے یہاں ہوئے ۳۳ھ سے باوجود مرحوم کے شدید انکار کے بضرورت مدرسہ مہتمم مقرر ہوئے اور اسی عہدہ پر ۲۷ھ ۲۰ جمادی الثانی کو انتقال ہوا۔ غفراللہ لہ آخر زمانہ میں ضعف و پیری کے علاوہ شدید امراض کا ابتلا رہا۔ صبح کو ڈولی میں بیٹھ کر مدرسہ آتے اور بعد عصر ڈولی میں بیٹھ کر واپس تشریف لے جاتے۔ اس مشقت کو دیکھ کر مجھے ترس آتا تھا میں نے تفصیلی حالات لکھ کر حضرات سرپرستان کی خدمت میں مرحوم کی خدمات جلیلہ کے پیش نظر خصوصی طور پر پنشن کی تجویز پیش کی تھی۔ حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ سرپرست مدرسہ نے یہ تحریر فرمایا کہ مدرسہ کے موجودہ چندہ سے پنشن جائز نہیں ہے اس کیلئے آپ ایک مستقل مد قائم کر کے چندہ قائم کریں۔ اس میں سے پنشن دی جاسکتی ہے۔ مہتمم صاحب کے متعلق جو لکھا وہ بالکل صحیح ہے۔ میں اس سے زیادہ واقف ہوں ان کیلئے جو تم مناسب سمجھو تنخواہ تجویز کر کے مخصوص احباب سے چندہ مقرر کروالو۔ پانچ روپے ماہانہ میں اپنی ذات سے دوں گا۔

حضرت مولانا محمد منیر صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

ایک مرتبہ وہ مدرسہ کے ڈھائی سو روپے لے کر مدرسہ کی روئیداد طبع کرانے دہلی تشریف لے گئے۔ اتفاق سے روپے چوری ہو گئے۔ مولوی صاحب نے اس چوری کی کسی کو اطلاع نہیں کی اور اپنے مکان آ کر اپنی کوئی زمین وغیرہ بیچ کی اور ڈھائی سو روپے لے کر دہلی پہنچے اور کیفیت مدرسہ چھپوا کر گھر لے آئے۔ کچھ دنوں کے بعد اس کی اطلاع اہل مدرسہ کو ہوئی۔ انہوں نے مولانا گنگوہی کو واقعہ لکھا اور حکم شرعی دریافت کیا۔ وہاں سے جواب آیا کہ مولوی صاحب امین تھے اور روپیہ بلا تعدی کے ضائع ہوا ہے اس لیے ان پر ضمان نہیں۔ اہل مدرسہ نے مولانا محمد منیر صاحب سے درخواست کی کہ آپ روپیہ لے لیجیے اور مولانا کا فتویٰ دکھایا۔ مولوی صاحب نے فتویٰ دیکھ کر فرمایا کہ میاں رشید احمد نے فقہ میرے ہی لیے پڑھا تھا اور کیا یہ مسائل میرے ہی لیے ہیں۔ ذرا اپنی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر تو دیکھیں اگر ان کو ایسا

واقعہ پیش آتا تو کیا وہ بھی روپیہ لے لیتے؟ جاؤ لے جاؤ اس فتویٰ کو۔ میں ہرگز دو پیسے بھی نہ لوں گا۔ (ارواح ثلاثہ)

(ملفوظ) مدارس کے بارے میں میرے آقا ومرشد حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم کے بھی بہت سے واقعات ہیں جو کہ فصل نمبر ۵ میں انشاء اللہ آئیں گے۔ حضرت مدظلہ کے واقعات کو الگ فصل میں اور آخر میں درج کرنے کی وجہ بھی اسی جگہ تحریر ہوگی۔

مہمان خانہ کا کرایہ ادا کرنا

حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہ کی طویل اور شدید علالت میں حضرت کے معالج ڈاکٹر برکت علی مرحوم کے اصرار پر حضرت اقدس کو بجائے بھٹ کے سہارنپور تشریف لانا پڑا اور کچھ زمانہ مدرسہ قدیم کے مہمان خانہ میں ڈاکٹر برکت علی صاحب کی تجویز سے قیام کیا۔ اس سال کی عید الضحیٰ بھی مدرسہ قدیم کی مسجد میں پڑھی۔ اپنے اس چند روز قیام کا حضرت قدس سرہ نے مدرسہ کے چندہ کے نام سے بہت بڑا کرایہ کیا جو حضرت قدس سرہ کے خدام کیلئے خاص طور سے سبق آموز اور عبرت انگیز ہے۔ اس ناکارہ (حضرت شیخ الحدیث صاحب) نے بہت عرض کیا کہ حضرت کا قیام مدرسہ کی ضروریات میں داخل ہے۔ مدرسہ کو حضرت کے قیام سے بہت زیادہ نفع ہے مگر حضرت نے منظور نہیں فرمایا۔ خود بھی چندہ کے نام سے کرایہ ادا کیا اور آنے والے مہمانوں سے بھی خاص طور پر تاکید کر کے چندہ دلوایا کہ حضرت قدس سرہ کی وجہ سے ان لوگوں کا بھی مدرسہ میں قیام ہوتا تھا۔ خاص طور سے پاکستان سے آنے والے مہمانوں سے بھی چندہ دلوایا۔

فصل چہارم

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی کے واقعات اور حضرت گنگوہی کے معاصرین و بعد کے مشائخ عظام کے واقعات

آپ بیتی میں حضرت شیخ الحدیث صاحب زاد مجدہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ کا معدہ مشتبہ چیز کو قبول نہیں کرتا تھا فوراً قے ہو جاتی تھی۔ مولانا نور الحسن صاحب مولانا کے قریب ترین ہم جد تھے۔

مولانا نور الحسن صاحب فراغ تعلیم علوم کے بعد کچھ دنوں سرکاری ملازم رہے، کچھ عرصہ دیوبند ضلع سہارنپور میں نائب تحصیلدار پھر نکوڑ ضلع سہارنپور میں تحصیلدار رہے غالباً اسی زمانہ نکوڑ کا یہ قصہ ہے جیسا کہ بچپن میں کان میں پڑا خاندان میں اس قسم کا قصہ دودھ جلیبی کا بھی مشہور ہے کہ مولانا نور الحسن صاحب نے ایک سپاہی کو بہت سمجھا بجھا کر اور یہ واضح کر کے کہ کوئی گڑبڑ نہ کیجیے ورنہ تیری اور میری دونوں کی ذلت ہوگی۔ ایک سپاہی کے ہاتھ دودھ جلیبی بازار سے منگوائی اور اس کو بہت ہی بار

بار سمجھایا تھا کہ ان ہی پیسوں کی لائے ورنہ میری اور تیری دونوں کی ذلت فوراً ہو جائے گی۔ سپاہی کی عقل میں نہیں آئی کہ ذلت کیوں ہوگی۔ وہ حلوائی سے دودھ جلیبی تو تحصیلدار صاحب کے مہمان کے نام سے مانگ لایا اور پیسے جیب میں ڈال لیے۔ دودھ جلیبی کا چمچہ نوش فرماتے ہی ایک شور مچ گیا (قے ہوگئی) سپاہی بے چارے کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایسی فوری گرفت ہوگی۔

دہلی کے بازار کا سالن

حضرت نور اللہ مرقدہ کا دہلی کے قیام طالب علمی میں بازار سے کھانے کا نظم تھا مگر حضرت بغیر سالن کے روٹی کھایا کرتے تھے اس لیے کہ دہلی کے سالنوں میں بازاری ہوں یا گھریلو اچور کا دستور بہت کثرت سے تھا اور آموں کی بیع قبل از وقت ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوتی ہے اس لیے حضرت دہلی کے بازار کا سالن نہیں نوش فرمایا کرتے تھے۔

بہلی میں بلا اجازت مالک کے ایک خط بھی لے جانے سے انکار

حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ کے متعلق مشہور ہے کہ جب وہ کسی سواری کا کرایہ کرتے تو مالک کو چیزیں دکھلا دیا کرتے تھے۔ اگر بعد میں کوئی خط بھی لاتا تو فرماتے کہ بھائی میں نے سارا اسباب مالک (گاڑی کے مالک) کو دکھلا دیا ہے اور یہ (خط) اس میں سے نہیں لہٰذا تم مالک سے اجازت لے لو۔ (جدید ملفوظات ص ۳۸)

نواب قطب الدین کی دعوت

ارواح ثلثہ میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کی روایت نقل کیا گیا ہے وہ فرماتے تھے کہ شاہ اسحاق صاحب کے شاگردوں میں تین شخص نہایت متقی تھے۔

اوّل درجہ کے مولوی مظفر حسین صاحب دوسرے درجہ کے شاہ عبدالغنی اور تیسرے درجہ کے نواب قطب الدین صاحب۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک مرتبہ نواب قطب الدین خان صاحب نے شاہ اسحاق صاحب، مولوی یعقوب صاحب اور

مولوی مظفر حسین صاحب اور چند دوسرے احباب کی دعوت کی۔ شاہ اسحاق صاحب نے تو منظور فرمالی اور مولوی یعقوب صاحب نے بھی مگر مولوی مظفر حسین صاحب نے منظور نہ فرمائی۔ اس سے نواب قطب الدین خاں کو ملال ہوا۔ انہوں نے شاہ اسحاق صاحب سے شکایت کی کہ میں نے مولوی مظفر حسین کی بھی دعوت کی تھی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ شاہ صاحب نے مولوی مظفر حسین صاحب پر عتاب فرمایا اور فرمایا ارے مظفر حسین تجھے تقویٰ کی بدہضمی ہوگئی ہے کیا نواب قطب الدین کا کھانا حرام ہے۔ انہوں نے کہا حاشا وکلا مجھے نواب صاحب پر اس قسم کی بدگمانی نہیں ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا پھر تو کیوں انکار کرتا ہے انہوں نے عرض کیا حضرت نواب صاحب نے آپ کی بھی دعوت کی ہے اور مولوی محمد یعقوب صاحب کی بھی اور اس کے علاوہ اتنے اور آدمیوں کی اور آپ کی پالکی میں لے جاویں گے اس میں بھی ضرور صرف ہوگا اور نواب صاحب گو بگڑ گئے ہیں مگر پھر بھی نواب زادہ ہیں دعوت میں ضرور نوابانہ تکلف بھی کریں گے اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نواب صاحب مقروض بھی ہیں اور جتنا روپیہ وہ دعوت پر خرچ کریں گے۔ وہ ان کی حاجت سے زیادہ بھی ہے تو یہ روپیہ وہ اپنے قرض میں کیوں نہیں دیتے ایسے حالت میں ان کا کھانا کراہت سے خالی نہیں۔ یہ بات شاہ صاحب کے ذہن میں بھی آگئی اور شاہ صاحب نے فرمایا میاں قطب الدین اب ہم بھی تمہارے ہاں کھانا نہ کھائیں گے۔

اس پر حضرت حکیم الامت حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ قولہ کراہت سے خالی نہیں اقول کہ وہ اعانت بعید ہے۔ فی اداء تقرض کی کیسا دقیق تقویٰ ہے اور استاد کیسے مقدس کہ یہ تو شاگرد کو متاثر رہے تھے یا انہی کا اتباع کرلیا۔

نماز تو پڑھ لے ہے

خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی محمود محسن صاحب بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ مولانا مظفر حسین صاحب کہیں تشریف لے جارہے تھے کہ راستہ میں ایک بوڑھا ملا جو بوجھ لیے ہوئے جاتا تھا بوجھ کسی قدر زیادہ تھا اس وجہ سے اس سے مشکل چلا

جاتا تھا۔ مولوی مظفر حسین صاحب نے جب یہ حال دیکھا تو آپ نے اس سے وہ بوجھ لے لیا اور جہاں وہ لے جانا چاہتا تھا وہاں پہنچا دیا۔ اس بڈھے نے پوچھا! جی تم کہاں رہتے ہو انہوں نے کہا بھائی میں کاندھلہ رہتا ہوں۔ اس نے کہا وہاں مولوی مظفر حسین بڑے ولی ہیں اور تو اس میں کوئی بات نہیں ہاں نماز تو پڑھ لے ہے۔ اس نے کہا واہ میاں تم ایسے بزرگ کو ایسا کہو۔ مولوی صاحب نے کہا میں ٹھیک کہتا ہوں، وہ بوڑھا ان کے سر ہو گیا۔ اتنے میں ایک اور شخص آ گیا جو مولوی صاحب کو جانتا تھا اس نے بوڑھے سے کہا بھلے مانس مولوی مظفر حسین یہی تو ہیں۔

اس پر وہ بوڑھا ان سے لپٹ کر رونے لگا۔ مولوی صاحب بھی اس کے ساتھ رونے لگے۔

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

رنڈی کی بہلی

مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ دہلی سے بہلی میں سوار ہو کر اپنے وطن کاندھلہ میں تشریف لا رہے تھے۔ بزرگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر شخص سے اس کے مذاق کے موافق گفتگو کیا کرتے ہیں اس بہلی والے سے بہلی ہی کے متعلق کچھ پوچھنے لگے کہ بیلوں کو راتب کتنا دیتے ہو اور کیا بچت ہو جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں بہلوان کی زبان سے یہ بھی نکل گیا کہ یہ بہلی ایک رنڈی کی ہے اور میں اس کا نوکر ہوں۔ بھلا مولانا رنڈی کی گاڑی میں کیسے بیٹھ سکتے تھے۔ کسی طالب علم نے کرایہ کر کے لا دی ہوگی مولانا کو اس کا پتہ نہ تھا۔ اب مولانا کا دقیق تقویٰ دیکھئے فوراً نہ اُترے تاکہ اس کی دل شکنی بھی نہ ہو۔ تقویٰ بھی برتنا ہر شخص سے نہیں آتا۔ ذرا دیر کے بعد کہ بہلی کو روک لینا مجھے پیشاب کی حاجت ہے اس نے بہلی روکی آپ نے اُتر کر پیشاب کیا اور اس کے ساتھ استنجا سکھلاتے چلے۔ کہاں تک چلتے آخر ڈھیلا پھینک دیا۔ اس نے کہا بیٹھ جائیے۔ فرمایا ٹانگیں شل ہو گئی ہیں، ذرا دور پیدل

چلوں گا پھر تھوڑی دور چل کر بہلی والے نے کہا کہ بیٹھیے مولانا نے پھر ٹال دیا۔ پھر کہا پھر ٹالا۔ وہ سمجھ گیا اور کہا مولانا میں سمجھ گیا یہ رنڈی کی گاڑی ہے آپ اس میں بیٹھیں گے۔ نہیں پھر لے جانے سے کیا فائدہ۔ حکم دیجیے لوٹ جاؤں۔ فرمایا ہاں بھائی بیٹھوں گا تو نہیں مگر تم کو کاندھلہ چلنا ہوگا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اس کے پاس کوئی کرایہ کو آیا ہو اور اس نے انکار کر دیا ہو۔ اس کو خواہ مخواہ نقصان ہوگا۔ لہٰذا آپ کاندھلہ تک ویسے ہی پیدل آئے اور ہر منزل بیلوں کے گڑ گھی اور گھاس کا دیسا ہی انتظام کیا اور مکان پر آ کر اس کو کرایہ دے کر واپس کیا۔

مہمان کا سامان سر پر

ایک مرتبہ کاندھلہ تشریف لا رہے تھے ایک شخص مل گیا اس سے دریافت فرمایا کہ کہاں جاؤ گے اس نے جواب دیا کہ کاندھلہ مولوی مظفر حسین کے پاس۔ اس کے پاس سامان تھا اور آپ خالی ہاتھ تھے۔ آپ نے اس سے سامان لے کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ کاندھلہ آ کر جب اسے معلوم ہوا کہ یہی مولوی صاحب ہیں تو بہت پشیمان ہوا۔ آپ نے فرمایا اس میں حرج کیا تھا میں خالی ہاتھ تھا اور تم بوجھ لیے ہوئے آ رہے ہو۔

غلہ کو کرتہ میں لے جا کر ہمسایوں کا سودا لانا

آپ بہت زیادہ منکسر المزاج تھے۔ ہر ایک کام خود کیا کرتے تھے بلکہ دوسروں کا کام بھی کیا کرتے تھے۔ عادت شریفہ تھی کہ اشراق کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا کرتے تھے اور گھر اپنے اقارب کے تھے ان میں تشریف لے جاتے اگر کسی کو بازار سے کچھ منگوانا ہوتا تو پوچھ کر وہ لا دیتے۔ پیسہ اس زمانہ میں کم تھا جو شے آتی تھی غلہ کی آتی تھی۔ آپ کبھی غلہ کرتے کے پلہ میں لے جاتے کبھی لنگی میں۔

حضرت مولانا کا وصال

آپ نے چھ حج پیدل کیے جس میں ایک حج مولوی محمد یعقوب صاحب کے

ساتھ اور ایک ہمراہ اہل وعیال۔ بعد میں مولوی محمد یعقوب صاحب کا خط آیا کہ تم یہاں چلے آؤ۔ اس خط کو مولوی نورالحسن صاحب نے چھپالیا جب آپ کو معلوم ہوا تو فوراً روانہ بیت اللہ ہوئے۔ یہ روانگی ۲۳ جمادی الثانی بروز شنبہ ۱۲۸۲ھ میں ہوئی۔ ابھی مکہ مکرمہ نہ پہنچے تھے کہ اسہال کا مرض لاحق ہو گیا۔ مکہ مکرمہ میں ایک مرتبہ حاجی امداد اللہ صاحب سے فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ مدینہ منورہ میں میری موت آئے مگر بظاہر اب میری موت کا وقت قریب آ گیا ہے آپ مراقبہ کیجیے۔ انہوں نے مراقبہ کے بعد فرمایا کہ نہیں آپ مدینہ منورہ پہنچ جائیں گے۔ کچھ روز کے بعد آپ اچھے ہو گئے اور اگلے ہی روز مدینہ منورہ کو روانہ ہو گئے۔ مدینہ منورہ پہنچنے میں ابھی ایک منزل باقی تھی کہ آپ پھر بیمار ہو گئے اور دس محرم ۱۳۸۲ھ مطابق ۵ مئی ۱۸۶۶ء یوم جمعہ کو انتقال فرمایا اور نزدیک قبر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مدفون ہوئے۔ کرتا، پائجامہ، لنگی، مشکیزہ، لوٹا آپ نے چھوڑا۔ حسب وصیت لوٹا اور مشکیزہ بیت المال میں داخل کر دیا گیا اور لنگی مریدوں میں تقسیم کر دی گئی اور کرتہ پائجامہ صاحبزادوں کے پاس بھیج دیا گیا۔

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے واقعات

حضرت فرماتے ہیں افاضات یومیہ میں لکھا ہے کہ والد صاحب مرحوم نے چار نکاح کیے۔ اس وقت عام دستور تھا معافی مہر کا۔ اس لیے اس طرف کبھی الفات نہ ہوا مگر ایک بار دفعۃً تنبہ ہوا اور اس عام عادت پر قناعت نہ ہوئی۔ اس بنا پر میرے حصہ پر شرعی مسئلہ کی رو سے جو رقم بیٹھی تھی اس کو تقسیم کرنے کا انتظام کیا۔ اس لیے کہ وہ جائیداد تو والد صاحب کی ہی ہم لوگوں کو پہنچی۔ اسی ترکہ میں وہ دین مہر بھی ہونا چاہیے اس لیے وہ فرائض نکلوائی صرف مناسبہ کی اجرت میں مجھ کو چودہ روپے دینے پڑے اور تقریباً سال بھر کے عرصہ میں ورثاء کی تحقیق کی۔ کوئی مکہ معظمہ ہے کوئی مدینہ منورہ میں کوئی بمبئی میں کوئی کلکتہ میں کوئی لاہور میں۔ غرض الحمدللہ بعد تحقیق کے سب

کو رقمیں پہنچا دی گئیں۔ غالباً آٹھ سو روپے سے کچھ کم یا زیادہ میرے حصہ پر رقم بیٹھی جس میں سے صرف دو جگہ باقی ہیں جہاں ابھی تک رقمیں نہیں پہنچیں۔ بمبئی اور مکہ معظمہ (جو بعد میں وہاں بھی پہنچ گئیں) کے حصص میں بعض بیچاروں کے حصہ پر ایک ہی پیسہ آیا۔ بعض کے حصہ پر دو ہی پیسہ آئے۔ کاندھلہ میں بڑے بڑے معزز اور متمول لوگ ہیں بعض کے حصہ میں قلیل پیسے آئے مگر میری درخواست پر کسی نے قبول کرنے سے انکار نہیں کیا۔ مجھ کو بڑی ہی مسرت ہوئی کہ انہوں نے قبول فرمالیا۔ حضرت شیخ الحدیث کے حصہ میں بھی دو پیسے آئے۔

بیت المال کی رقم

ریاست بہاولپور کی طرف سے کسی موقع پر دوسرے علماء کے ساتھ حضرت والا کو بھی ڈیڑھ سو روپیہ بعنوان خلعت اور پچیس روپیہ بنام دعوت عطا کیے گئے۔ اس وقت تو حضرت والا نے دوسرے علماء کے ساتھ اس رقم کو بخیال احترام رئیس قبول فرمالیا مگر بعد کو خلوت میں وزیر صاحب کے عذر کیا کہ یہ رقم بیت المال میں سے دی گئی ہے جس کا میں مصرف نہیں اس لیے واپس لے لی جائے۔ انہوں نے کہا اب تو کاغذات میں اندراج بھی ہوگیا، واپسی کی کوئی صورت نہیں۔ حضرت والا نے فرمایا خیر اگر خزانہ میں واپس نہیں ہوسکتی تو اس رقم کو مقامی علماء وطلباء میں صرف کر دیا جائے کیونکہ شرعاً بیت المال کے وہی مصرف قریب ہیں۔

(حکیم الامت معاصر کی نظر میں ص ۱۱۱)

چندہ کی واپسی

کسی رئیس نے دو سو روپے خانقاہ کے مدرسہ امداد العلوم کیلئے بھیجے۔ ساتھ ہی تشریف آوری کی درخواست بھی ہوئی۔ حضرت نے روپیہ واپس کر دیا اور لکھا کہ دونوں باتوں کے اقتران سے احتمال ہوتا ہے کہ شاید مجھ کو متاثر کرنے کیلئے یہ رقم بھیجی گئی ہے۔

گنے کا محصول آگے کیا ہوگا

ایک مرتبہ سہارنپور سے کانپور تشریف لے جارہے تھے۔ کچھ گنے ساتھ تھے جن کو محصول ادا کرنے کی غرض سے اسٹیشن پر تلوانا چاہا لیکن کسی نے نہ تولا بلکہ ازراہ عقیدت ریلوے کے غیر مسلم ملازمین نے بھی کہہ دیا کہ آپ یوں ہی لے جایئے ہم گارڈ سے کہہ دیں گے، حضرت نے کہا گارڈ کہاں تک جائے گا؟ کہا غازی آباد تک۔ فرمایا غازی آباد سے آگے کیا ہوگا؟ کہا گیا بس وہ کانپور تک لے جائے گا اور وہاں آپ کا سفر ختم ہو جائے گا۔ فرمایا نہیں وہاں سفر ختم نہ ہوگا۔ آگے ایک اور سفر آخرت ہے۔ وہاں کیا انتظام ہوگا؟ یہ سن کر سب دنگ رہ گئے اور بے حد متاثر ہوئے۔ (معاصر کی نظر میں ص ۱۱۱)

او بناز ےمن بنیاز ے

سب سے اعلیٰ و ارفع عمل باطنی تو فنا د عبدیت کی وہ کیفیت تھی جو ہر وقت حضرت پر نہایت شدت کے ساتھ طاری رہتی تھی اور جس سے متاثر ہوکر حضرت بارہا یہاں تک فرما دیا کرتے تھے کہ میں تو اپنے آپ کو کتوں اور سوروں سے بھی بدتر سمجھتا ہوں۔ اگر کسی کو یقین نہ ہو تو میں اس پر حلف اٹھا سکتا ہوں۔ ایک بار ایک صاحب نے اپنے خط میں کسی مضمون کے ضمن میں یہ مصرع لکھ دیا۔

ع او بناز ےمن بنیاز ے

اس تحریر پر فرمایا کہ اس مصرع نے مجھے سر سے پاؤں تک ہلا دیا۔

اسٹیشن کی لالٹین

ایک سفر میں کسی چھوٹے اسٹیشن پر بارش کی وجہ سے اسٹیشن ماسٹر نے حضرت کو گودام میں ٹھہرا دیا۔ جب رات ہوئی تو ریلوے کے کسی ملازم کو اس میں لالٹین جلانے کا حکم بھی دے دیا۔ حضرت کو شبہ ہوا کہ کہیں یہ ریلوے کمپنی کی لالٹین نہ ہو لیکن اس خیال سے منع فرمانے میں بھی تامل ہوا کہ یہ ہندو ہے دل میں کہے گا کہ

اسلام میں ایسی تنگی اور سخت ہے اسی کشمکش میں دل ہی دل میں دعا شروع فرمائی کہ اے اللہ آپ ہی اس سے بچائیے اس کے بعد ہی بابو نے ملازم سے پکار کر کہا دیکھو اسٹیشن کی نہیں ہماری لالٹین جلانا۔ حضرت نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ اسٹیشن کی لالٹین تھوڑے ہی جلنے دیتا۔ اندھیرے میں ہی بیٹھا رہتا۔

حضرت حاجی صاحب کی تسبیح

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے کسی خادم کے پاس حضرت حاجی صاحب کی ایک تسبیح تھی۔ جس کو انہوں نے حضرت والا کی خدمت میں پیش کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ حضرت نے دریافت فرمایا کیا یہ جائز طریقہ سے ملی ہے؟ عرض کیا خود حاجی صاحب نے عنایت فرمائی تھی، مزید اطمینان کیلئے پھر دریافت فرمایا مرض وفات میں یا اس سے پہلے، عرض کیا وفات سے پہلے، تب حضرت نے اسے قبول فرمایا۔

میزان عدل

عقد ثانی کے بعد اپنے کپڑے تک گھر کی بجائے خانقاہ میں اس لیے رکھتے کہ اگر ایک گھر میں رکھیں گے تو دوسرے کو شکایت ہوگی کہ ہمارے ساتھ اتنی خصوصیت نہیں ہر چیز دونوں گھروں میں برابر تقسیم فرماتے جس کیلئے خانقاہ میں کانٹا لگا رکھا تھا جس میں خود میزان عدل فرمایا کرتے تھے۔

اشرف علی آیا ہے

حضرت نے فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ جس وقت نابینا ہو گئے تھے تو میں کبھی ویسے ہی چپکے سے جا کر نہ بیٹھتا بلکہ جب گیا یہ کہہ دیا کہ اشرف علی آیا ہے اور جب چلنے لگا تو کہہ دیتا اشرف علی رخصت چاہتا ہے ویسے چپکے جا کے بیٹھنے میں تجسس کے مشابہ ہے۔ تشبہ بالتجسس بھی تجسس ہے۔ آنے جانے کی اطلاع سے یہ فائدہ تھا کہ شاید کوئی بات میرے سامنے فرمانا نہ چاہیں اور حضرت فرمانے لگیں۔

رقیبوں کے ڈر سے محبوب کو نہیں چھوڑا جا سکتا

حضرت گنگوہیؒ قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ اسحاق صاحب کے شاگرد اجمیر میں رہا کرتے تھے اور وہاں وعظ کے ذریعے اشاعت دین کرتے تھے۔ انہوں نے حدیث لاتشد الرحال کا وعظ کہنا شروع کیا اور لوگوں پر اثر بھی ہوا۔ اتفاق سے شاہ اسحاق صاحب کا اس زمانہ میں قصد ہجرت ہو گیا۔ جب شاہ صاحب کے قصد ہجرت کی ان کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے شاہ صاحب کو لکھا کہ جناب جب عازم سفر ہجرت ہوں تو اجمیر تشریف نہ لائیں کیونکہ میں لاتشد الرحال کا وعظ کہہ رہا ہوں۔ لوگ راہ پر آ چلے ہیں آپ کی تشریف آوری سے جو کچھ اثر ہوا ہے اس کے عتر بوت ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ شاہ صاحب نے اس کے جواب میں لکھا:

''میں اجمیر کے قصد سے نہ آؤں گا لیکن چونکہ اجمیر راستہ میں پڑے گا اور خواجہ صاحب ہمارے مشائخ میں ہیں اس لیے مجھ سے نہ ہو سکے گا کہ میں بلا حاضر ہوئے بالا بالا چلا آؤں۔ ہاں جب میں آؤں تم وعظ کہنا اور وعظ میں بیان کرنا کہ اسحاق نے غلطی کی جو اجمیر آیا۔ اس کا فعل حجت نہیں اور میرے سامنے کہنا اور یہ خیال نہ کرنا کہ شاید مجھے ناگواری ہو، مجھے ہرگز ناگوار نہ ہوگا اور میں اقرار کرلوں گا کہ واقعی میں نے غلطی کی ہے اس سے وہ ضرور دفع ہو جائے گا جس کا تم کو اندیشہ ہے اور شاہ صاحب نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ یہ مجاور اور قبر پرست ہمارے رقیب ہیں۔ رقیبوں کے ڈر سے محبوب کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔

حضرت شہید کے وعظ کا قصہ

ایک مرتبہ حضرت اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ وعظ فرما رہے تھے۔ اثناء وعظ میں ایک شخص اٹھا اور کہا مولوی صاحب ہم نے سنا ہے کہ تم حرامی ہو۔ آپ نے نہایت متانت سے جواب دیا میاں تم نے غلط سنا ہے میرے ماں باپ کے نکاح کے گواہ بڈھانہ پھلت اور خود دلی میں ہنوز موجود ہیں اور یہ فرما کر پھر وعظ شروع کر دیا۔

حضرت تھانویؒ اس کے حاشیے پر تحریر فرماتے ہیں کہ اس سے طالب حق کو معلوم ہوسکتا ہے کہ حضرت مولانا شہید کی تیزی وغیرہ سب دین کیلئے تھی ورنہ ہیجان نفس کا اس سے بڑھ کر اور کون سا موقع ہوسکتا ہے۔ آپ بیتی میں حضرت مرشدنا شیخ الحدیث صاحب زادمجدہ مندرجہ بالا تحریر فرمانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ میرے حضرت شیخ الاسلام مدنی نور اللہ مرقدہ کے ساتھ بھی اس نوع کا واقعہ پیش آچکا ہے۔ لیگ کانگریس کے ہنگاموں میں بہت سے نالائقوں نے اخباروں میں حضرت قدس سرہ کی سیادت سے انکار کردیا۔ اخباروں میں تو جھوٹ سچ گالی گلوچ ہوتی ہی رہتی ہے۔ مگر کسی احمق نے حضرت قدس سرہ کو درس بخاری میں اس مضمون کا پرچہ دے دیا کہ اخبارات میں یہ شائع ہورہا ہے۔ حضرت نے سبق کے دوران ہی میں نہایت متانت سے فرمایا کہ میرے والدین کے نکاح کے گواہ ابھی تک ٹانڈہ اور فیض آباد وغیرہ کے نواح میں موجود ہیں جس کا دل چاہے وہاں جا کر تحقیق کر لے اور سبق شروع فرمادیا۔

واقعی مجھ سے غلطی ہوئی

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اساتذہ کے اساتذہ کا معمول سنا ہے کہ سبق پڑھانے کے دوران اگر کوئی طالب علم ایسا اشکال کرتا جس کا جواب سمجھ میں نہیں آیا تو دوران سبق میں اپنے استاد سے جا کر پوچھ آتے اور آکر تقریر فرماتے۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ ارشاد فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے ترجیح الراجح کا سلسلہ اسی لیے قائم کیا ہے کہ جس کو میری تصانیف میں غلطی معلوم ہو مجھے متنبہ کردے تاکہ مجھے اگر اپنی غلطی کا اطمینان ہوجائے تو اس سے بالاعلان رجوع کرلوں۔ چنانچہ مجھ سے جہاں کہیں لغزش ہوئی ہے اس کا دل کھول کر بہت فراخ دلی سے اقرار کیا ہے اور جہاں مجھے شرح صدر اپنی غلطی کا نہیں ہوا وہاں دوسرے کا قول بھی نقل کردیا ہے تاکہ جو قول جس کے جی کو لگے وہ اسی کو اختیار کر

لے۔ میں نے ہمیشہ یہی کیا ہے خواہ مخواہ اپنی بات کو نبھایا نہیں یہ برکت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ ویسے تو یہ خصلت اپنے سبھی اکابر میں تھی لیکن جیسا رنگ (مولانا محمد یعقوب صاحب) میں اس صفت کا نمایاں تھا اور حضرات میں ایسا نہ تھا۔ دوران درس میں جہاں کسی مقام پر شرح صدر نہ ہوا جھٹ اپنے کسی ماتحت مدرس کے پاس کتاب لیے جا پہنچے اور بے تکلف کہا کہ مولانا یہ مقام میری سمجھ میں نہیں آیا ذرا اس کی تقریر تو کر دیجیے۔

چنانچہ بعد تقریر کے واپس آ کر طلباء کے سامنے اس کو دہراتے اور فرماتے کہ مولانا نے اس مقام کی یہ تقریر کی ہے اور اسی طرح اگر کوئی طالب علم کسی مقام کی مولانا کی تقریر کے معارض تقریر کرتا اور وہ صحیح ہوتی تو اپنی تقریر سے فوراً درس میں ہی رجوع فرما لیتے اور صاف لفظوں میں فرماتے کہ مجھ سے غلطی ہوئی اور صرف ایک بار ہی نہیں بلکہ تھوڑی دیر بعد رہ رہ کر جوش اٹھتا اور بار بار فرماتے ہاں واقعی مجھ سے غلطی ہوئی۔ مولانا کو ایسی باتوں سے ذرا عار نہ آتی تھی۔

خواب میں حضور اقدس کی زیارت

اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ ایسا وظیفہ بتلا دیجیے کہ خواب میں حضور پاک ﷺ کی زیارت ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ کا بڑا حوصلہ ہے ہم تو اس قابل بھی نہیں کہ روضہ شریف کے گنبد شریف ہی کی زیارت ہو جائے۔ اللہ اکبر کس قدر تواضع اور شکستگی کا غلبہ تھا اس پر حضرت والا (حکیم الامۃ تھانوی) نے فرمایا "یہ سن کر ہماری آنکھیں کھل گئیں" حضرت کی عجیب شان تھی اس فن کے امام تھے۔ ہر بات میں شان محققیت و حکمت ٹپکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت کے خادموں میں سے کوئی بھی محروم نہیں رہا۔ حضرت حاجی صاحب کی خود یہ حالت تھی کہ اپنے ہر ہر خادم کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے آنے والوں کے قدموں کی زیارت کو اپنے لیے

ذریعہ نجات سمجھتا ہوں۔ حضرت پر شانِ عبدیت کا غلبہ رہتا تھا وہ عبدیت ہی اس ارشاد کا منشا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ اپنی اہلیت کا اعتقاد نہ رکھے باقی تمنا کی ممانعت نہیں۔ (اضافات حصہ اول ص۷۹)

آج سوت کا کیا بھاؤ ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ مولانا نانوتوی (حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیوبند) کی شان نہ عالمانہ تھی نہ درویشانہ بلکہ عاشقانہ شان تھی اور آپ کی مجلس دوستانہ ہوتی تھی۔ گاڑھے کے کپڑے پہنتے تھے ایک مرتبہ دیوبند سے نانوتہ کو تشریف لے جارہے تھے کہ ایک جولاہے نے بوجہ سادگی کے ہم قوم سمجھ کر پوچھا کہ آج سوت کا کیا بھاؤ ہے۔ مولانا نے جواب دیا کہ بھائی آج بازار جانا نہیں ہوا۔ وہ جولاہا بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔ (حسن العزیز ص۱۵۲)

تواضع کی حد

حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کے متعلق سنا ہے کہ ابتداء میں بہت ہی خوش پوشاک تھے مگر اخیر میں کھدر کی وجہ سے ایسا لباس ہوگیا تھا کہ دیکھنے والا مولوی بھی نہ سمجھتا تھا۔

حضرت تھانوی ایک جگہ ذکرِ محمود میں فرماتے ہیں کہ جیسا شباب میں لطافت مزاج کے سبب نفیس پوشاک مرغوب تھی اب غلبہء تواضع کے سبب اس قدر سادہ لباس اور جوتا اور ساری ہی وضع اختیار فرمائی جیسے مساکین کی وضع ہوتی ہے وضع سے کوئی شخص یہ بھی گمان نہ کرسکتا تھا کہ آپ کو کسی قسم کا امتیاز مال یجاہی علمی حاصل ہے۔ حالانکہ

ع آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

جب حضرت کا قرآن پاک کا ترجمہ پورا ہوا تو حضرت نے دیوبند میں سب علماء کو جمع کرکے (جو کہ حضرت کے تلامذہ اور خدام تھے) یہ فرمایا کہ بھائی میں نے

قرآن پاک کا ترجمہ پورا تو کر دیا ہے لیکن سب مل کر اس کو دیکھ لو اگر پسند ہو تو شائع کرو ورنہ رہنے دیا جائے۔ حضرت حکیم الامۃ اس واقعہ کو نقل کر کے تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ اکبر اس تواضع کی بھی حد ہے۔ (النور شعبان ص ۳۰)

یہی تو وقت تھا بیان کا

ایک بار احقر (حضرت حکیم الامتؒ) کی درخواست پر مدرسہ جامع العلوم کانپور کا جلسہ دستار بندی میں رونق افروز ہوئے اور احقر کے بے حد اصرار پر وعظ فرمانے کا وعدہ فرمایا۔ جامع مسجد میں وعظ شروع ہوا۔ جناب مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی بھی کانپور تشریف لائے ہوئے تھے میرے عرض کرنے پر جلسہ میں تشریف لائے اس وقت ایک بہت بڑا عالی مضمون بیان ہو رہا تھا جس میں معقول کا ایک خاص رنگ تھا۔ ہم لوگ خوش ہوئے کہ ہمارے اکابر کی نسبت معقولات میں مہارت کم ہونے کا شبہ آج جاتا رہے گا اور سب دیکھ لیں گے کہ معقول کس کو کہتے ہیں۔ مولانا (شیخ الہند) کی جوں ہی مولانا علی گڑھی پر نظر پڑی فوراً وعظ بیچ میں سے قطع کر کے بیٹھ گئے۔ مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی بوجہ ہمدرد ہونے کے بے تکلف تھے۔ انہوں نے دوسرے وقت عرض کیا کہ یہ کیا کیا؟ یہی تو وقت تھا بیان کا۔ فرمایا کہ ہاں یہی خیال مجھ کو آیا تھا اس لیے قطع کر دیا کہ یہ تو اظہار علم کیلئے بیان ہوا نہ کہ اللہ کے واسطے۔

آموں کی گٹھری سر پر

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اپنے مجمع میں خوش پوشاک، نازک مزاج نازک بدن تھے اور حسین بھی ایسے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ شہزادہ حسین ان کی حکایت ہے کہ موضع املیا کے ایک شخص نے مولانا کی مع طالب علموں کے آموں کی دعوت کی۔ وہ گاؤں دیوبند سے تین کوس پر ہے، سواری بھی نہیں لایا۔ مولانا مع رفقاء کے پیدل گئے اور وہاں آم کھائے جب چلنے لگے تو اس نے بہت سے آم گھر لے جانے

کیلئے دیے اور بدتمیزی یہ کی کہ ان کو پہنچانے کیلئے بھی مزدور تک نہ دیا۔ بس سامنے لاکر رکھ دیے کہ ان کو لیتے جایئے۔ مولانا کا حصہ بھی اوروں سے زیادہ ہی دیا گیا۔ سب اپنے اپنے کپڑوں میں باندھ کر چلے مولانا بھی بغل میں لے کر چلے۔ ایک طرف کی بغل دکھ گئی تو دوسری طرف سے لیا، جگہ تھی دور۔ بار بار کروٹیں بدلتے تھے یہاں تک کہ جب دیوبند پہنچے تو ہاتھ بہت زیادہ تھک گئے۔ مولانا نے اس گٹھری کو سر پر رکھ لیا اور فرماتے ہیں کہ بھائی یہ ترکیب پہلے سے سمجھ میں نہ آئی اس وقت حالت یہ تھی کہ مولانا کو دونوں طرف بازار میں سلام ہو رہے تھے اور مولانا جواب دیتے جاتے تھے اس حالت میں مولانا کو ذرا بھی تغیر نہ تھا۔ سبحان اللہ کیا تواضع ہے نفس تو ان حضرات میں تھا ہی نہیں۔ (حسن العزیز ص ۲۴۰ ج ۴)

مکتوب گرامی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حکیم الامۃ رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ حضرت شیخ الاسلام اور حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہما کے لیگ اور کانگریس کا اختلاف رکھنے والے تو اب تک ہزاروں موجود ہیں اور بیسیوں رسائل اس سلسلہ کے شائع بھی ہو چکے ہیں۔ اس ناکارہ (حضرت شیخ) کا رسالہ اعتدال بھی اسی سلسلہ کا ہے اسی سے اختلاف کی نوعیت معلوم ہو جائے گی۔ اس زمانہ میں جب حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ شوال ۳۳ھ میں حجاز مقدس تشریف لے گئے جس کے بعد مالٹا جانا پڑا۔ اس زمانہ کے دو مکتوب بھی حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے ذکر محمود میں نقل فرمائے ہیں جو النور میں شائع ہوئے ہیں حسب ذیل ہیں:

سراپا فضل و کمال شرفکم اللہ تعالیٰ وجعلم فوق کثیرین من الناس

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بارہا آپ کی خیریت معلوم ہونے کا داعیہ پیدا ہوا اور ایک دو دفعہ بعض آیندگان کی زبانی آپ کی خیریت بھی معلوم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مع جملہ متعلقین

خیریت سے رکھے۔ اس وقت ایک صاحب بنگالی مسمّی عبدالمجید سے ملاقات ہوئی جو ہندوستان واپس ہو رہے ہیں اور جناب کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد رکھتے ہیں، یہ موقع غنیمت معلوم ہوا اس لیے یہ عریضہ روانہ کرتا ہوں۔

بندہ مع رفقاء بحمد للہ اس وقت بالکل خیریت اور اطمینان سے ہے۔ شروع رجب میں مکہ مکرمہ حاضر ہو گیا تھا۔ اس وقت تک یہیں حاضر ہوں مجھ کو اُمید ہے کہ فلاح و حسن خاتمہ کی دعا سے اس دور افتادہ کو فراموش نہ فرمائیں گے۔ آئندہ قیام کی نسبت بھی کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ مولوی شبیر علی صاحب مولوی محمد ظفر صاحب مولوی عبداللہ صاحب وغیرہ حضرات سے سلام مسنون فرما دیجیے۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب، مولانا قمر الدین صاحب کی وفات سے افسوس بر افسوس ہے۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون و رحمهما اللہ تعالیٰ۔**

والسلام علیکم و علیٰ من لدیکم
فقط بندہ محمود غفرلہ مکہ معظمہ
۱۳ محرم چہار شنبہ

دوسرا مکتوب

معاون حسنات و خیرات دام ظلکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ نامہ سامی موجب مسرت و امتنان ہوا جو ہوا کرمین و مخلصین کی ادعیہ مقبولہ کا ثمر ہے ادام اللہ فیوضہم و برکاتہم۔ احقر و رفقاء و متعلقین بحمد للہ خیریت سے ہیں۔ سب کا سلام مسنون قبول ہو۔

والسلام علیکم و علیٰ من لدیکم
بندہ محمود غفرلہ
از دیوبند دہم شوال، یک شنبہ

تلامذہ کے ساتھ اس طرح اختلاط و ارتباط و انبساط رکھنا کہ دیکھنے والا کبھی نہ سمجھ سکے کہ یہ اس مجمع کے مخدوم ہیں۔ بعض خدام کے ساتھ جن میں کوئی خاص

خصوصیت ہوتی مثلاً مولانا کے کسی استاد یا بزرگ کی اولاد میں سے ہوتا یا عوام المسلمین کے نزدیک معظم ہوتا وغیرہ ذلک ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا جس سے اجنبی شخص کو شبہ ہو سکے خادم پر مخدوم ہونے کا جب خدام کے ساتھ یہ معاملہ ہوتو مساوی یا بڑوں کے ساتھ معاملہ کا اسی سے موازنہ کرلیا جائے۔ کسی سے کسی خدمت کی فرمائش کرنے کی عادت نہ تھی۔ بلکہ اکثر مہمانوں کیلئے کھانا مکان سے اپنے ہاتھ میں لاتے اور خود کھلاتے۔

میں پیرو کا غلام ہوں

آپ بیتی میں حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں کہ مفتی محمود حسن صاحب نے بروایت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند ایک واقعہ سنایا کہ جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سفر حجاز کیلئے تشریف لے جارہے تھے اور وہاں سے گرفتار ہو کر مالٹا آ گئے تھے اس وقت کی بات ہے کہ ہمارے مکان پر تشریف لائے۔ مولوی صاحبہ (اہلیہ محترمہ حضرت مولانا نانوتویؒ) کی خدمت میں عرض کیا کہ اماں جی! میں نے آپ کی کوئی خدمت نہیں کی، بہت شرمندہ ہوں۔ اب سفر میں جا رہا ہوں ذرا اپنا جوتا دے دیجیے۔ انہوں نے پس پردہ سے جوتا آگے بڑھا دیا۔ حضرت شیخ الہند نے اس کو اپنے سر پر رکھا اور روتے رہے کہ میری کوتاہیوں کو معاف کر دیجیے۔ یہ دوسرا واقعہ بھی بروایت مولانا محمد طیب صاحب مفتی صاحب نے سنایا کہ ایک مرتبہ مغرب سے کچھ پہلے کا وقت تھا، نماز کیلئے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس سے سب لوگ اٹھ کر چلے، میرے برادر خورد مولوی طاہر مرحوم نے فرمایا کہ وضو کرلو، وہ ذرا ہچکچائے کہ حضرت میرے واسطے لوٹا لائے اس پر فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں؟ میں پیرو کا غلام ہوں۔ (پیرو حضرت نانوتوی کے ہاں ملازمہ تھی)

اعلیٰ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نوراللہ مرقدہ

شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نوراللہ مرقدہ کی تو پوری زندگی تواضع و

انکساری کی تھی، ہمارے جملہ اکابر میں اعلیٰ حضرت کی تواضع ضرب المثل تھی۔ حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت کی حیات میں رائے پور تشریف لے گئے تو ارشاد فرمایا کہ اللہ اکبر اس باغ کے درختوں کے پتہ پتہ سے تواضع ٹپک رہی ہے۔

علی میاں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کی سوانح میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ فرمایا کہ میں اپنے حضرت کی تعریف اس لیے نہیں کرتا کہ اس میں بھی اپنی ہی تعریف نکلتی ہے ورنہ ہمارے حضرت تصوف کے امام تھے اور تو کچھ نہیں عرض کرتا البتہ اتنا جانتا ہوں کہ چودہ سال حضرت کی خدمت میں رہا۔ اس طویل مدت میں کبھی ایک کلمہ بھی حضرت کی زبان مبارک سے نہیں سنا جس میں اپنی تعریف کی بو بھی آتی ہو۔ حب جاہ ایسی چیز ہے جو سب سے آخر میں سالکین کے قلوب سے نکلتی ہے جب سالک صدیقین کے مقام تک پہنچتا ہے تب اس سے پیچھا چھوٹتا ہے۔ یہ بات میں نے اپنے حضرت میں خوب اچھی طرح سے دیکھی کہ حب جاہ کا وہاں سر کٹا ہوا تھا۔
(سوانح قادری ص ۱۴۳)

طبیب نے زہر دے دیا

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ تذکرۃ الخلیل میں اعلیٰ حضرت نور اللہ مرقدہ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک نادان طبیب نے غلطی سے زہر دے دیا۔ فوراً آپ کو قے ہو گئی اور مرض ترقی کر گیا۔ ڈاکٹری تشخیص سے پتہ چلا کہ چند منٹ قے نہ ہوتی تو جانبری محال تھی۔ حضرت سے جس کو ذرا بھی تعلق تھا وہ حکیم صاحب پر آنکھیں نکالتا اور ان کی صورت سے بیزار ہو گیا مگر آپ کو حکیم صاحب کی ندامت اور اپنے خدام کی ان سے یہ وحشت ایک مستقل تکلیف بن گئی کہ وہ بھی کتمان اور ضبط میں رہی جس کا اثر یہ تھا حکیم صاحب تشریف لاتے تو آپ ان کو سب سے الگ اپنے پاس چارپائی پر بٹھاتے اور کسی کی بھی دوا کا استعمال ہو مگر حکیم صاحب سے مشورہ لیا کرتے تھے اور وہ اس کو مناسب مرض بتاتے

تو آپ استعمال فرماتے ورنہ ان سے ایسی ہی باتیں کرتے جس سے ان کو یقین ہو جاتا کہ حضرت میرے معالجہ کے معتقد اور میری حذاقت و مزاج شناسی کے معترف ہیں اور مخلص خدام سے ایک مرتبہ نرم لہجہ میں اس طرح فرمایا کہ حکیم صاحب تو میرے محسن ہیں، غلطی تو ہر بشر کے ساتھ لگی ہوئی ہے مگر جو کچھ کہا وہ محبت وشفقت ہی کی نیت سے کہا۔ ان کو کوئی ترچھی نظر سے دیکھتا ہے تو میرے دل پر برچھی لگتی ہے۔ فاعل مختار بجز اللہ تعالیٰ مولائے کریم کے کوئی نہیں۔ جو ہوا وہ اس کی مشیت سے ہوا۔ پھر کسی کو کیا حق ہے کہ آلہ داد زار کو سرزنش کرے۔

خادم تو ایسی راحت میں اور مخدوم زادہ معمولی جگہ میں

آخری سفر حج میں حضرت نور اللہ مرقدہ کے ساتھ سو سے زائد کا مجمع ہو گیا تھا۔ بمبئی پہنچے تو سب رفقاء کا ٹکٹ موجودہ جہاز سے ملنا مشکل تھا۔ حضرت اور حضرت کے اہل وعیال ورفقاء کو مل سکتا تھا مگر حضرت نے جملہ رفقاء کے بغیر قبول نہیں فرمایا اور جن کو عجلت تھی ان کو اس جہاز سے بھیج دیا اور خود پندرہ دن تک دوسرے جہاز کے انتظار میں بمبئی تشریف فرما رہے۔ اس موقع پر بہت سے لوگوں نے حضرت قدس سرہ پر اصرار بھی کیا کہ حضرت باقی رفقاء دوسرے جہاز سے آتے رہیں گے مگر حضرت نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ان ساتھیوں کو رنج ہوگا۔

مکہ مکرمہ پہنچ کر مکی احباب نے ایک بہت نفیس مکان حضرت اور حضرت کے رفقاء کیلئے کرایہ پر لے رکھا تھا اور خدام نے حضرت کے کمرہ کو بہت ہی راحت کا بنا رکھا تھا بعض مکی خدام نے بہت عمدہ مسہری اور نفیس تکیے گدے حضرت کے کمرہ کیلئے مہیا کر رکھے تھے کہ بعد میں حضرت صاحبزادہ حکیم مسعود احمد صاحب خلف الرشید حضرت قطب ارشاد گنگوہی نور اللہ مرقدہ حج کیلئے پہنچ گئے۔ حکیم صاحب کے پہنچنے پر حضرت رائے پوری قدس سرہ نے اپنا کمرہ سجا سجایا مع سامان راحت کے حضرت حکیم صاحب کی نظر کر دیا اور فرمایا کہ مجھ فقیر کیلئے تو جہاں بھی بیٹھ جاؤں گا راحت ہی

راحت ہے۔ خدام کے ہوتے ہوئے حضرت حکیم صاحب کو تکلیف ہو یہ تو بہت ناموزوں ہے۔ حتیٰ کہ میرے حضرت مرشدی سہارنپوریؒ نے بھی جو بعد میں مکہ پہنچے تھے اس پر نکیر فرمائی سارا سامان لوگوں نے آپ کی راحت کیلئے دیا تھا۔ مگر حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدہ نے یہی ارشاد فرمایا کہ حضرت مجھ سے دیکھا نہ گیا کہ خادمہ تو ایسی راحت میں رہے اور مخدوم زادہ معمولی جگہ قیام کرے۔

حضرت رائے پوری قدس سرہ کیلئے تو خدام نے اس کا بدل کر ہی دیا مگر حضرت رائے پوری قدس سرہ کا عمل ہم نالائقوں کیلئے قابل رشک ہی ہوسکتا ہے۔

حضرت کا اپنے مہمان کے پاؤں دبانا

ایک مرتبہ مولوی وہاج الدین صاحب جو کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے بیعت تھے۔ رائے پور آئے، رات زیادہ جا چکی تھی اور سفر کا تکان بہت تھا ایک طرف لیٹ کر سوگئے ذرا دیر بعد آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ایک شخص پائنتی کی طرف بیٹھا ہوا آہستہ آہستہ ان کے پاؤں دبا رہا ہے۔ مگر اس احتیاط سے کہ آنکھ نہ کھل جائے۔ اول تو سمجھے کہ شاید حضرت نے کسی خادم کو بھیج دیا مگر پھر غور کی نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ یہ خود حضرت مولانا ہیں۔ یہ گھبرا کر اٹھے اور کود کر چارپائی کے نیچے آئے کہ حضرت یہ کیا غضب کیا۔ فرمایا بھائی اس میں حرج کیا ہے۔ آپ کو تکان بہت ہو گیا ہوگا۔ ذرا لیٹ جایئے کہ آرام مل جائے۔ انہوں نے کہا کہ بس حضرت معاف فرمایئے۔ میں باز آیا ایسے آرام سے کہ آپ سے پاؤں دبواؤں۔

تواضع اور مروّت گر کوئی شخص مجسم ہو
تو وہ سرتا قدم عبدالرحیم باصفا ہوگا

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہ

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نوراللہ مرقدہ کے دیکھنے والے تو ابھی تک ہزاروں ہیں تواضع میں اپنے شیخ قدس سرہ کا نمونہ تھے۔ اس غایت تواضع ہی کا ثمرہ

تھا کہ ابتداء بیعت میں باوجود اعلیٰ حضرت رائے پوری کے مشورہ کے کہ گنگوہ میں قطب عالم سے بیعت ہوں۔ حضرت رائے پوری نے یہ فیصلہ کیا کہ میں اتنی اونچی دربار کے قابل نہیں۔ اس کی تفصیل سوانح حضرت رائے پوری مولفہ علی میاں میں ذکر کی گئی ہے۔ جس میں اعلیٰ حضرت رائے پوری کے مشورہ پر جو جواب حضرت رائے پوری نے دیا وہ یہ تھا کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کو جو کچھ ملا حضرت گنگوہیؒ سے ملا مگر میرا رجحان آپ کی طرف ہے۔ میری طرف سے اگر مہمانداری کی فکر ہے تو میرے حقوق حضرت کے ذمہ نہیں ہیں۔ میں اپنے قیام وطعام کا خود ذمہ دار ہوں۔ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب یہ خط دیکھ کر بہت خوش ہوئے لوگوں کو یہ خط دکھایا اور فرمایا دیکھو یہ ہیں طالب۔ (سوانح رائے پوری ص ۵۹)

بدن پر کمری والا خادم

حضرت رائے پوری قدس سرہ ایک دفعہ تھانہ بھون حاضر ہوئے تو حضرت حکیم الامۃ نے فرمایا کہ میں تو رائے پور حضرت شاہ عبدالرحیم کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں آپ نے مجھے یاد نہیں فرمایا حضرت! میں آپ کو کیا یاد رہ سکتا تھا۔ میری وہاں کوئی حیثیت اور امتیاز نہیں تھا۔ شاید آپ کو یاد ہوگا کہ حضرت کی خدمت میں ایک خادم بار بار آتا تھا۔ بدن پر ایک کمری ہوتی تھی اور تہبند باندھے ہوئے۔ فرمایا ہاں کچھ یاد تو آتا ہے۔ فرمایا ہاں میں وہی ہوں۔ (سوانح قادری ص ۴۹)

شیخ کے کپڑوں کا استعمال

حضرت اپنی انتہائی تواضع ہی کی وجہ سے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی نگاہوں میں بڑھتے چلے گئے اور ساری خصوصی خدمات اعلیٰ حضرت کی حضرت رائے پوری کی طرف منتقل ہوتی چلی گئی۔ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب قدس سرہ نے اپنے کپڑے بھی حضرت رائے پوری ثانی کو ہبہ کر دیے تھے کہ اپنی ملک میں کچھ نہ رہے لیکن غایت تواضع سے حضرت اپنے شیخ کے کپڑوں کو استعمال نہیں کرتے تھے اور چونکہ

امامت بھی حضرت ہی کے سپرد تھی اس کا ایک قصہ خود بیان فرمایا کہ میں ایک دفعہ نہر پر کپڑے دھونے گیا۔ ایک جوڑا کپڑوں کا تھا اس کو دھو سکھا کر پہن لیتا۔ اس دن سوکھنے میں ذرا دیر ہوگئی جمعہ کا وقت ہوگیا جمعہ میں ہی پڑھایا کرتا تھا۔ حضرت میرے انتظار میں تھے جب حاضر ہوا فرمایا مولانا کہاں رہ گئے تھے۔ میں نے سکوت کیا دوبارہ پھر دریافت فرمایا میں نے پھر سکوت کیا۔ بار بار اصرار سے دریافت فرمایا تو عرض کیا کہ حضرت کپڑے نہیں سوکھے تھے اس لیے حاضری میں دیر ہوگئی۔ حضرت نے غصہ سے فرمایا آپ کے پاس میرے کپڑے موجود نہیں۔ ان کو کیوں نہیں استعمال کرتے۔ کیا ان کو آگ لگانا ہے۔ مجھے اس سے تکلیف ہوتی ہے اس کے باوجود کبھی حضرت کے کپڑے پہننے کی جرأت نہیں ہوئی۔ (سوانح قادری ص ۷۱)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ

اعلیٰ حضرت رائے پوری نے قولاً فعلاً اشارۃً حضرت رائے پوری ثانی کو جانشین بنا رکھا تھا لیکن اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد کئی سال تک حضرت رائے پوری ثانی نے رائے پور کا قیام اختیار نہیں فرمایا تھا۔ زیادہ پنجاب کے اسفار اور امکان پر رہتے تھے اور جب رائے پور کی زیارت کا اشتیاق غالب ہوتا تو بہٹ جناب الحاج شاہ زاہد حسین صاحب مرحوم کے مکان پر چند روز قیام کرتے اور شاہد صاحب کی گاڑی میں اور کبھی پیدل روزانہ جاتے اور واپس آجاتے کہ کسی کو یہ واہمہ نہ ہو کہ مولانا اپنے کو گدی نشین سمجھتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنے وصال کے قریب چوہدری صدیق صاحب کو ان کی زمین میں جو خانقاہ کے متصل تھی ایک مکان بنا دینے کو کہا تھا۔ اعلیٰ حضرۃ قدس سرہ کے وصال کے بعد جب چوہدری صاحب نے حسب وصیت مکان بنانے کا ارادہ کیا تو مولانا نے فرمایا کہ میرے لیے مکان کی ضرورت نہیں، میرے لیے تو صرف ایک چھپر ڈال دیجیے مگر چوہدری صاحب کو اعلیٰ حضرت کی وصیت تھی اس لیے مولانا کے ایک سفر کو غنیمت جان کر ایک

پختہ دالان ایک سہ دری اس کے اندر ایک کوٹھا اور دونوں جانب ایک ایک حجرہ تعمیر کرا دیا جواب تک حضرت رائے پوری کی خانقاہ کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں

آپ بیتی میں حضرت شیخ الحدیث صاحب زاد مجدہ تحریر فرماتے ہیں کہ ۴۵ھ کے سفر حج میں جبکہ اعلیٰ حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کا قیام بھی مدینہ پاک میں تھا حضرت رائے پوری قدس سرہ کا باوجود شیخ المشائخ ہونے کے حضرت سہارنپوری کی خدمت میں دوزانوں مودبانہ خادمانہ بیٹھنا تو مجھے بھی خوب یاد ہے۔ ہم خدام سے اتنا ادب نہیں ہوتا جتنا حضرت رائے پوری کیا کرتے تھے جس کو دیکھ کر رشک آتا تھا اور حضرت رائے پوری کو یہ قلق رہتا تھا کہ ان کے متعلقین حضرت سہارنپوری کی خدمت میں اس وقت اہتمام سے کیوں نہیں حاضر ہوئے۔

حضرت تھانوی میرے بھی شیخ ہیں

ایک مرتبہ کوئی شخص تھانہ بھون سے ناراض ہو کر آئے تھے اور حضرت کے سامنے بے ادبی سے وہاں کا تذکرہ کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت تھانویؒ میرے بھی شیخ ہیں۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ (سوانح قادری ص ۳۰۵)

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت

حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے ساتھ محبت وعقیدت، احترام واعتقاد کا جو غیر معمولی معاملہ تھا وہ دنیا پر روشن ہے۔ جس مجلس میں مولانا کا کوئی ناقد یا مخالف ہوتا وہاں اور زیادہ جوش کے ساتھ ان کے فضائل ومناقب بیان کرتے اور ان کے خلوص ومقبولیت کا اعلان فرماتے۔ ایک مرتبہ بعض آنے والوں نے مولانا کے سیاسی مسلک اور ان کے سیاسی انہماک پر اعتراض کیا تو فرمایا کہ اگر مجھ میں طاقت ہوتی تو میں ان کے سفروں میں خادم کی طرح ان کے ساتھ رہتا اور ان کی ادنیٰ ادنیٰ خدمتیں انجام دیتا۔ (سوانح رائے پوری ص ۳۰۶)

حضرت دہلویؒ سے عقیدت

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ کاندھلوی بانی جماعت تبلیغ کے حضرت بہت معتقد تھے کبھی حضرت دہلوی کے سوا اور طرح کا نام نہیں لیا۔ اپنے خدام کو بہت تاکید اور اہتمام کے ساتھ حضرت کی خدمت میں بھیجتے رہتے تھے اور خود بھی بڑے اہتمام کے ساتھ نظام الدین تشریف لے جاتے اور کئی کئی روز قیام فرماتے۔

مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں

راولپنڈی میں ایک مرتبہ قریشی صاحب کی کوٹھی پر چمن میں عصر کے بعد بڑی وسیع مجلس تھی بعض اعلیٰ عہدیدار، ممتاز علماء اور عمائد شہر جمع تھے۔ پروفیسر عبدالغنی صاحب جے پوری نے (غالباً اس خیال سے کہ حضرت کچھ ارشاد فرمائیں گے اور لوگ مستفید ہوں) سوال کیا کہ حضرت صبر کی حقیقت کیا ہے؟ حضرت نے بڑی بے تکلفی سے راقم (مولانا علی میاں صاحب) کی طرف اشارہ کیا کہ مجھے تو معلوم نہیں اُن سے پوچھو۔ میں نے اپنے نزدیک کسر نفسی اور تواضع سے کام لیتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت مجھے تو اس کے لغوی معنیٰ کے سوا کچھ معلوم نہیں، نہایت سادگی اور اطمینان سے فرمایا کہ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں مجلس پر سناٹا چھا گیا۔ حضرت کو اس کا احساس نہیں معلوم ہوتا تھا کہ مجلس کے خواص حضرت کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے جن کو علماء اور عمائد کے ایک بڑے گروہ نے اپنا شیخ و مربی تسلیم کر رکھا ہے۔

یہ حضرت شیخ کو سنانا

ایک مرتبہ آزاد صاحب نے حضرت کو مخاطب کر کے ایک غزل کہی جس کا مقطع تھا۔

کیا ستم ہے آزاد تیرے ہوتے ہوئے
ہے میکدہ میں بھی اور تشنہ کام ہے ساقی

یہ شعر سن کر فرمایا بھائی میرے پاس تو پانی بھی نہیں، یہ شعر تو حضرت شیخ الحدیث صاحب کو سنانا۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی سے تعلق

حضرت مولانا علی میاں صاحب لکھتے ہیں کہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب اگرچہ عمر میں حضرت سے بہت چھوٹے ہیں اور ان کی طالب علمی اور ترقی باطنی کے سب مراحل حضرت کے سامنے ہی گزرے لیکن ان کی خداداد صلاحیتوں فطری جواہر اور علو استعداد کی بنا پر حضرت کا تعلق ان سے نہ صرف انس ومحبت کا بلکہ احترام وعقیدۃ کا تھا جن لوگوں نے حضرت کا برتاؤ ان سے دیکھا ہے ان کیلئے سمجھنا مشکل تھا کہ یہ برتاؤ محض ایک عالم اور محدث کے ساتھ ہے جو عمر میں بہت چھوٹا ہے یا کسی شیخ معمر بزرگ کے ساتھ۔ حضرت ان کے متعلق ہمیشہ بڑے بلند کلمات فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت گنگوہی کی نسبت حضرت شیخ الحدیث کی طرف منتقل ہوگئی ہے اور علی میاں تحریر فرماتے ہیں کہ اخیر تک اکثر رجوع ہونے والوں کو بالخصوص اہل علم کو حضرۃ شیخ الحدیث سے بیعت ہونے کا مشورہ دیتے تھے۔ کبھی کبھی شیخ کے بعض مریدین وخدام سے فرمایا کہ شیخ الحدیث صاحب میرے بھی شیخ ہیں۔ پاکستان کا سفر ذرا طویل ہوتا تو شیخ سے ملنے کا تقاضا شدت سے پیدا ہوتا اور یہی گویا واپسی کی دلیل ہوتی۔ فرماتے کہ اب ہمیں نہ روکو، شیخ بہت یاد آتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب قدس سرہ کے واقعات

دھوبی کے کپڑے

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کی سادی زندگی کو دیکھنے والے تو اب تک کثرت سے موجود ہیں ان کے لباس یا طرز معاشرت سے کوئی ان کو مولوی بھی نہیں سمجھتا تھا۔ کپڑے

زیادہ تر ململ خورہ پہنتے تھے۔ جناب الحاج شدہ زاہد حسین رئیس بھٹ کے یہاں میرے حضرت قدس سرہ کے کپڑے دھلا کرتے تھے اور ہر ہفتہ شنبہ کو ان کا آدمی آ کر دھوبی کے گھر سے کپڑے دے جاتا تھا اور جمعہ کو اُتارے ہوئے کپڑے لے جاتا تھا۔ میں اکثر خیال کیا کرتا تھا کہ دھلے ہوئے کپڑوں میں اور اتارے ہوئے کپڑوں میں سلوٹوں کے سوا کوئی فرق نہ ہوتا تھا کہ پائجامہ پر خدام کے دبانے وجہ سے کچھ سلوٹیں پیدا ہو جاتی تھیں۔ شاہ صاحب نے کئی دفعہ والد صاحب پر اصرار کیا اعلیٰ حضرت کے ساتھ ساتھ آپ بھی اپنے کپڑے بھیج دیا کریں۔ انہوں نے فرمایا میرے کپڑے ایسے ہوئے ہی نہیں کہ دھوبی کے ہاں دھلیں۔ بہت کم دھوبی کے یہاں دھلوانے کی ضرورت پیش آتی تھی ورنہ کوئی خادم یا میری والدہ نور اللہ مرقدہا پانی میں کھنگال کر سکھا دیتی تھیں جو اگلے جمعہ کو میرے والد صاحب پہن لیتے تھے (حالانکہ حضرت قدس سرہ پیدائش سے ہی بہت ذکی الحس تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میری والدہ کے دودھ نہ تھے اس لیے مجھے دایا نے دودھ پلایا لیکن اگر روزانہ وہ غسل کر کے اور خوشبو لگا کر دودھ نہ پلاتی تو میں دودھ نہ پیتا تھا۔ دو برس کی عمر میں جب دودھ چھوٹا تو اس وقت پاؤ پارہ حفظ تھا۔ یہ روایت اپنی والدہ ماجدہ (حضرت شیخ کی دادی صاحبہ) سے نقل فرمائی۔

پھوپھا مولانا رضی الحسن صاحب کے کپڑے

میرے پھوپھا مولانا رضی الحسن صاحب کی زندگی رئیسانہ تھی۔ وہ گرمی اور سردی کیلئے کئی کئی اچکن بنوایا کرتے تھے اور میرے والد صاحب کے کاندھلہ جانے پر ایک دو اچکن گرمی سردی کے ساتھ کر دیتے۔ وہی میرے والد صاحب کے ساتھ رہتے تھے۔ اپنے لیے اچکن سلوانا میرے علم میں نہیں چونکہ دونوں کا جسم ایک سا تھا اس لیے وہ کرتے پائجامے بھی ایک دو ساتھ کر دیتے تھے کیونکہ بے تکلفی تھی اور بچپن کا تعلق تھا۔ کاندھلہ میں بھی ساتھ پڑھے، گنگوہ میں بھی ساتھ رہے۔ اس

لیے والد صاحب کو بھی ان کے کپڑے پہن لینے میں تکلف نہیں ہوتا تھا۔

کھانے کا کچوندا

گنگوہ کے قیام میں بھی اور سہارنپور کے صدر مدرسی کے دور میں بھی کھانے کے وقت مخصوص خدام اور مخصوص احباب اپنے اپنے گھر سے اپنا اپنا کھانا لا کر شریک ہو جاتے تھے اور کھانے کے وقت سب جگہ کے سالنوں کو ایک بڑے طباق میں یکجا ملا لیتے تھے۔ اس میں شوربہ بھی ہوتا دال بھی ہوتی، ساگ بھی بھوجی بھی۔ سردی میں ان سب کو ملا کر انگیٹھی پر رکھ کر چند منٹ گرم کر لیتے تھے اور سب مل کر اسی طباق سے مشترک کھاتے تھے۔ میرے استاذ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب سابق ناظم مظاہر العلوم سہارنپور بھی اکثر کھانے کے وقت اپنے گھر سے کھانا لے کر آ جاتے تھے۔

ناظم صاحب کے مزاج میں نفاست نزاکت بہت تھی مگر میرے والد صاحب سے تعلق بھی بہت تھا۔ وہ بھی اس کچوندے کو رغبت سے کھاتے تھے۔ مجھے یاد نہیں کہ والد صاحب نے گھر میں اپنے لیے کسی چیز کے پکانے کی فرمائش کی ہو۔

تمہیں بھی کچھ بھاوے

تذکرۃ الرشید میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت گنگوہیؒ کے یہاں کہیں سے خمیری روٹی اور قورمہ آیا نوش فرما کر خانقاہ شریف لائے اور میرے والد نور اللہ مرقدہ سے دریافت فرمایا میاں مولوی یحییٰ تمہیں بھی کچھ بھاوے؟

انہوں نے عرض کیا حضرت! ایک ارہر کی دال تو بھائی نہیں باقی جو کچھ ملے پسند ہے۔ آپ نے بے ساختہ یہ شعر پڑھا۔

کیا کہوں جرأت کہ کچھ بھاتا نہیں
کچھ تو بھایا ہے جو کچھ بھاتا نہیں

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے متعلق حضرت

مولانا علی میاں صاحب فرماتے ہیں کہ یہ ناکارہ آخری بار ۲۵ نومبر کو یعنی وفات سے صرف گیارہ روز پہلے حاضر ہوا۔ سخت تکلیف اور بے حد ضعیف تھے۔ یہ وہی دن تھا جس دن ڈاکٹر صاحب نے تفصیلی معائنہ کر کے یہ کہا تھا کہ مولانا صرف اپنی قوت ارادی سے زندہ ہیں اور ہمارا فن اس علالت کے سامنے ناکام ہے۔ اس روز بھی مولانا نے ظہر کی نماز کھڑے ہو کر اور باہر آ کر جماعت کے ساتھ ادا کی۔

مولانا مقصود علی خاں سنبھلی مدرس مدرسہ تعلیم الدین آنند ضلع کھیرا فرماتے ہیں کہ ایک سلسلۂ گفتگو میں حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ میں جب کراچی جیل سے رہا ہو کر آیا تو بنگالی کونسل کے ایک ممبر نے مجھ سے کہا کہ چالیس ہزار روپے نقد اور ڈھاکہ یونیورسٹی میں پانچ سو روپے ماہوار کی پروفیسری آپ کیلئے ہے اس کو قبول فرما لیں، کہا کہ کام کیا کرنا ہے؟ ممبر صاحب نے فرمایا کچھ نہیں، صرف تحریکات میں خاموش رہیں۔ میں نے کہا حضرت شیخ الہند جس راستے پر لگا گئے ہیں میں اس سے نہیں ہٹ سکتا۔ حضرت شیخ نے اس واقعہ کو سنانے کے بعد حاضرین کو نصیحت فرمائی کہ آپ صاحبان اس کام میں لگے رہیں۔

نوٹ ۱:۔ نظر انداز نہ ہونا چاہیے کہ یہ ۲۳ھ کی بات ہے۔ اس وقت حضرت کیلئے ملازمت کا کوئی سلسلہ نہیں تھا۔ کچھ عرصہ بعد سلہٹ تشریف لے گئے تو مشاہرہ تقریباً ڈیڑھ سو روپے تھا۔

نوٹ ۲:۔ ۲۳ شمسی چالیس ہزار روپے کی حیثیت آج کل کے حساب سے کئی لاکھ روپے بنتی ہے۔

مولانا اسماعیل صاحب سنبھلی جو حضرت شیخ الاسلام کی خلافت سے بھی مشرف ہیں اس مشہور واقعہ کے راوی ہیں کہ ایک مرتبہ ٹرین میں حضرت والا فرسٹ کلاس میں سفر کر رہے تھے۔ ایک ہندو صاحب بہادر بھی اس ڈبہ میں سوار تھے۔ وہ قضا حاجت کیلئے پاخانہ میں گئے اور فوراً واپس آ گئے۔ حضرت شیخ نے بھانپ لیا تھوڑی دیر کے بعد خاموشی سے اُٹھے پاخانہ میں گئے۔ وہ نہایت ہی گندہ ہو رہا تھا۔ اس کو

صاف کیا پھر واپس تشریف لے آئے۔ تھوڑی دیر بعد صاحب بہادر سے دریافت فرمایا کہ آپ پائخانے سے کیوں واپس آ گئے تھے۔ صاحب بہادر نے جواب دیا کہ وہ بہت گندہ ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ تو صاف ہے جا کر ملاحظہ فرمائیں۔ صاحب بہادر بے حد متاثر ہوئے۔ (الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر)

حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس سرہ کی تواضع

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مخدوم ومحترم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ حضرت لاہوریؒ اپنے زمانہ میں بہت بڑے شیوخ طریقت میں سے تھے۔ قوت نسبت باطنی ادراک اور روشن ضمیری میں اس زمانہ میں ان کی نظیر مشکل سے مل سکتی تھی۔ (سوانح رائے پوری)

وفات کے بعد ان کی قبر سے چالیس روز تک کستوری کے مثل عجیب خوشبو کا آتے رہنا لاہور کے سب عام و خاص کو معلوم ہے۔ راقم الحروف (محمد اقبال) بھی کئی روز تک وہ خوشبو سونگھتا رہا۔

مولانا علی میاں صاحب حضرت لاہوریؒ کے شاگرد بھی ہیں اور ابتداء میں باطنی تربیت اور فیض بھی ان سے حاصل کیے اور ان کی طرف سے مجاز بیعت بھی ہوئے۔ مولانا کی پہلی بیعت حضرت لاہوریؒ کے شیخ حضرت مولانا غلام محمد صاحب دین پوری رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔ جب مودودی صاحب کی جماعت اسلامی بنی تو ان کے افکار سے مناسبت کی بنا پر مولانا علی میاں کا بھی جماعت سے تعلق ہو گیا۔ پھر جماعت کو جب قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو حقیقت واضح ہو جانے پر جلدی ہی جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اس زمانہ میں ایک دفعہ حضرت لاہوریؒ کی ملاقات کو تشریف لے گئے۔ بندہ راقم الحروف بھی ساتھ تھا۔ حضرت لاہوریؒ ہم کو اپنے خاص حجرہ میں لے گئے۔ چائے پلائی پھر فرمایا کہ ایک خاص بات کرنی ہے توجہ سے سنو۔ حضرت لاہوریؒ نے ہجویریؒ المعروف داتا گنج بخش صاحب قدس سرہ سے

مراقبہ میں اپنی بات چیت جو کہ فارسی زبان میں ہوئی تھی اور ان کی قبر کی تعیین کا قصہ سنایا جو کہ کئی سال بعد خدام الدین کے پرچہ میں شائع بھی ہوگیا تھا۔ اس کے بعد مولانا علی میاں سے پوچھا کہ تاریخی لحاظ سے اس بارہ میں آپ کی کیا معلومات ہیں؟

علی میاں نے عرض کیا کہ تاریخی لحاظ سے آپ کے مکاشفہ کی پوری تائید ہوتی ہے اور قبر کی تعیین کے متعلق تفصیل عرض کی۔

حضرت نے فرمایا کہ میں نے یہ واقعہ اس واسطے سنایا کہ اس قسم کا ادراک مجھے عام طور پر ہو جاتا ہے اور میری حیثیت حضرت مدنیؒ اور حضرت رائے پوری کے سامنے ایسی ہے کہ میں ان کے جوتے کی خاک کے ذرہ کو اپنے لیے موتیوں کا تاج سمجھتا ہوں حیران ہوں کہ آج کل بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان حضرات نے مودودی صاحب کی اردو کی کتب کو نہیں سمجھا، طرز تحریر نیا ہے مودودی صاحب کے مفہوم کو نہیں سمجھتے۔ محض دوسروں کے کہنے پر یہ بزرگ شدید مخالف ہو گئے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ان دونوں بزرگوں کی فراست اس درجہ کی ہے کہ اگر ایک مسلمان کو کافر کا لباس پہنا دیا جائے اور کافر کو مسلم کا پھر دونوں کے فوٹو لیے جائیں اور حضرت مدنی کے سامنے پیش کیے جائیں تو حضرت فوراً کہہ دیں گے۔ **ھذا مسلم وھذا کافر۔**

ان حضرات کے علم و تقویٰ اور خلوص و بے نفسی کے آپ بھی قائل ہیں۔ بس مجھے آپ کو اس بات کی طرف متوجہ کرانا تھا اس کے بعد ہمیں رخصت کر دیا۔

فصل پنجم

فخر الاماثل سیدی و مرشدی حضرت اقدس شیخ الحدیث دامت برکاتہم کے اشک آور و عشق پرور واقعات

تمہید

رسالہ اکابر کا تقویٰ و تواضع کی بسم اللہ میں حضرت نے خود تحریر فرمایا کہ ان کو بچپن ہی سے اپنے اکابرین کے ساتھ محبت عشق کے درجہ میں ہے اور یہ محبت بعد میں بڑھتی ہی گئی جس کی ایک وجہ تو حضرت نے اپنی افتتاحی تحریر میں تحریر فرمادی ہے جو کہ اصل ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت کی محبت سے پہلے ان اکابر کو حضرت سے عشق تھا کہ عشق اول دردل معشوق پیدا مے شود۔

حضرت کی محبوبیت کے قصے تو بہت ہیں۔ ان شاء اللہ ان کو جمع کرنے کا خیال ہے۔ یہاں صرف ایک قصہ لکھتا ہوں کہ حضرت کے یک سالہ قیام حجاز میں حضرت رائے پوری قدس سرہ مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت سے فرمایا کہ اللہ معاف کرے۔ حج کا تو بہانہ تھا تمہاری ملاقات کیلئے آیا ہوں کہ دیکھے ہوئے بہت دن ہو گئے تھے۔ تمہاری محبت کھینچ کر لائی ہے اس نے بے چین کر رکھا تھا اور حضرۃ مدنی نور

اللہ مرقدہ نے تو حضرت سے ایک دفعہ یہ وعدہ فرمالیا تھا کہ تمہارے بغیر جنت میں نہ جاؤں گا اور یہ واقعی اور سرسری بات نہ تھی اس وعدہ کو اہتمام سے یاد رکھا۔ حضرت کے استاد و مرشد قدس سرہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا یہ آپ کے بیٹے ہیں؟ فرمایا بیٹے سے بڑھ کر اور مقدمہ بذل میں حضرت قدس سرہ نے قرۃ عینی و قلبی کے لقب سے سرفراز فرمایا اس کے علاوہ صلحاء کے مکاشفات و مبشرات کے ذریعے پہلے اولیاء اللہ کی محبت و قدر دانی حتیٰ کہ حضور ﷺ کی خصوصی توجہ و شفقت کے واقعات مستقل ہیں۔ وقت کے سارے ہی اولیاء اللہ اور اہل قلوب میں حضرت کا محبوب ہونا عنداللہ محبوبیت و مقبولیت کی یقینی علامت ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب حق تعالیٰ کسی سے محبت فرماتے ہیں اور اس کو اپنا دوست (ولی) بنالیتے ہیں تو جبریل علیہ السلام کو آواز دیتے ہیں کہ اے جبریل میں فلاں آدمی کو دوست رکھتا ہوں تم بھی اسے دوست رکھو۔ پس جبریلؑ اسے دوست رکھتے ہیں۔ پھر حضرت جبریلؑ یہی اعلان تمام آسمان میں کر دیتے ہیں حتیٰ کہ زمین میں بھی اس کی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ چنانچہ اولیاء اللہ کے صافی قلوب جن میں فرشتوں کے الہام کو قبول کرنے کی استعداد ہوتی ہے۔ پہلے ان میں قبولیت ہوتی ہے بعد میں قبول عام ہوتا ہے اور مقبولیت کی یہی ترتیب قبولیت عنداللہ کی علامت ہوتی ہے اور جو قبولیہ سے پہلے عوام سے شروع ہو وہ معتبر نہیں ہوتی اور یہی ترتیب ولایت کی سب سے بڑی علامت ہے۔ کیونکہ ولایت ایک پوشیدہ امر ہے جس کی پہچان بہت مشکل ہے۔ اولیاء کاملین ہی پہچان سکتے ہیں کہ جب ولی کو دیکھتے ہیں تو ان کے صافی قلوب میں کشش اور اللہ کی یاد پیدا ہوتی ہے۔ بزرگی کی دوسری علامتیں کشف و کرامات کے متعلق تو اتفاق ہے کہ یہ غیر ولی بلکہ غیر مسلم میں بھی پائی جاتی ہے اور دل میں ان کا ہونا ضروری نہیں اور دوسری علامتیں زہد و توکل، صفائی معاملات ایثار و قربانی فقر و فاقہ، ریاضت و مجاہدہ وغیرہ گو ان کا اولیاء اللہ میں ہونا ضروری ہے لیکن غیر اولیاء اللہ میں بھی مل سکتی ہے۔ ترتیب مذکورہ کے مطابق حضرت کی قدر جتنی اکابر نے کی اصاغر محبوبین نے

شروع میں اتنی نہیں کی۔

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

البتہ بعد میں قبولیت عامہ ہوگئی جس کے متعلق حضرت مولانا علی میاں جیسے صاف نظر نے لکھا ہے کہ حضرت سے اپنی تصانیف درس حدیث اور بیعت وارشاد کے ذریعہ اس طریق اور سلسلہ کے فیوض اس طرح عام ہوئے کہ اس سے پہلے اس کی نظیر آسانی سے تلاش نہیں کی جاسکتی۔ کہا گیا ہے کہ چوبیس گھنٹوں میں کوئی وقت ایسا نہیں گزرتا جس میں دنیا کے کسی نہ کسی ملک میں حضرت کی کوئی نہ کوئی کتاب نہ پڑھی جاتی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے محبوبیت کے ساتھ کمال عبدیت سے بھی نوازا۔ چنانچہ حضرت نے تمام مشائخ کے ساتھ ادب وتواضع کا وہ معاملہ کیا جو کسی دوسرے پیرو مرید کے درمیان مشکل ہی سے ملے گا۔ چنانچہ آگے آنے والے واقعات سے ظاہر ہوگا کہ اپنے شیخ ومرشد کے ساتھ ادب وتواضع کے وہ معاملات کیے کہ مریدی کا حق ادا کر دیا۔ اسی وجہ سے اب پیری بھی حضرت پر ختم ہے کہ سارے ہی مشائخ کے کمالات وخصوصیات حضرت کی ذات میں جمع ہوگئیں اور حضرت سارے اکابر کی ظاہری وباطنی خیرات وبرکات کے مجموعہ محاسن بن گئے۔

چنانچہ حضرت رائے پوری قدس سرہ کا ارشاد ہے کہ شیخ المشائخ حضرت گنگوہیؒ کی نسبت حضرت شیخ کی طرف منتقل ہوگئی ہے۔ **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء**

حضرت کے واقعات کو سب سے آخر میں لکھنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ ناظرین رسالہ کو معلوم ہو جائے کہ جس لائن کے کمالات گزشتہ اوراق میں پڑھے ہیں وہ محض قصے ہی نہیں جن کی اتباع ناممکن ہو حضرت نے اکابر کے جذبات کی اتباع ہی نہیں بلکہ اس پر کچھ اضافہ بھی کر کے اس سے محبت کی سچائی کا ثبوت دے دیا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ رسالہ حضرت ہی کی تصنیف ہے بندہ نے صرف واقعات کو مرتب کیا ہے اور حضرت اپنے متعلق ایک سطر لکھنا بھی گوارہ نہیں کرتے

حالانکہ اپنے کو چھپانا سارے کمالات کی جڑ ہے۔ اگر کمالات کو چھپایا جائے تو یہ چھپانے کا کمال ظاہر ہوگا۔ لہٰذا کمالات کا بالکل چھپانا ناممکن ہوا۔ حسن اگر ظاہر ہو تو مشکل اور چھپے تو اور زیادہ قیامت ڈھاتا ہے۔ بہرحال حضرت کی ناگواری کے پیش نظر اصل رسالہ میں حضرت کے واقعات کو نہیں لکھا بلکہ اپنی طرف سے مستقل فصل لکھ کر بطور ضمیمہ شامل کر دیا ہے اور یہ بھی حضرت والا کے مزاج مبارک کے خلاف ہوا۔ بندہ نے کئی سال ہوئے حضرت کے واقعات جمع کرنے کا ارادہ کیا تھا اور نمونہ کے طور پر کتاب کا ایک جز دسبق آموز واقعات کے نام سے شائع کر دیا تھا جس پر حضرت نے بہت ناگواری کا اظہار فرمایا تھا اور اس کے بعد جب کسی واقعہ کو کسی سلسلہ میں بیان فرمایا تو خاص طور پر بندہ کو تنبیہ فرمائی کہ دیکھو کہیں شائع نہ کر دینا۔ کئی دفعہ فرمایا کہ پہلے مجھے مرنے دو بعد میں جو چاہے شائع کرتے پھرنا کہ **فان الحی لا تومن علیه الفتنة** ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

اب یہ اشکال کہ حضرت کی منشا کے خلاف اس فصل کو لکھنے کی کیسے جرأت کی گئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت کی ممانعت دراصل تواضع کی وجہ سے ہے۔ ورنہ فی نفسہ اس میں کوئی وجہ ممانعت نہیں بلکہ اگر تحدیث بالنعمۃ کے طور پر خود بھی شائع کریں تو یہ واما بنعمۃ ربک فحدث کا امتثال ہوگا۔ دوسرے اس میں امت کا نفع خصوصاً حضرت کے خدام کا نفع بہت ظاہر ہے کہ قصوں کا موثر ہونا اس رسالہ کے افتتاح کے بیان میں ظاہر ہوا لیکن اپنے شیخ کے اور اپنے سامنے کے تازہ قصوں کا زیادہ اثر ہونا بھی ظاہر ہے اور چونکہ اپنے شیخ سے محبت بھی ہوتی ہے اس لیے شیخ کے قصوں سے اتباع کی توفیق بھی ہو جاتی ہے اور یہ قصے خود شیخ سے محبت کی زیادتی کا باعث بھی ہوتے ہیں اور محبت شیخ ساری ترقیات وسعادت کی کلید ہے اور شیخ کے باطن سے فیض یاب ہونے کی شرط ہے۔ شیخ کی محبت کی برکت سے ایک محبّ صادق بغیر شیخ سے ملاقات کیے دور سے بھی فیض یاب ہوسکتا ہے۔ جبکہ بغیر محبت کے ایک حاضر باش خادم کو کامیابی نہیں ہوتی۔ خدام ومتوسلین کی تعلیم وتربیت کی غرض سے حضرت

اقدس کو بھی بارہا یہ کہتے سنا ہے کہ کسی کے نفع کی خاطر اگر میرا ثواب ضائع بھی ہو جائے تو مجھے گوارہ ہے بندہ کے خیال میں یہ بھی ارشاد وسخاوت کا اعلیٰ درجہ ہے اور ان شاء اللہ ان وجوہ سے ثواب المضاعف ہی ہوگا۔

فتاویٰ رشیدیہ میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کا ارشاد ہے۔ اگر بوجہ اللہ نیت خیر سے کسی نیک کام کو ظاہر کر دیا تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ بعض اوقات از دیارِ خیر کا باعث ہے۔ یہ ساری بحث اس وقت ہے جبکہ حضرت خود اظہار کریں لیکن مندرجہ بالا مصالح کی بنا پر اگر کوئی خادم شائع کرے تو اس میں یہ اشکال بھی نہیں۔ اکابر میں کئی حضرات کی مستقل مفصل سوانح ان کی زندگی میں شائع ہوتی رہیں اور بہت سے مصالح کی بنا پر اس کو اکابر نے گوارا فرمایا لیا حالانکہ اپنی تعریف کوئی بزرگ بھی پسند نہیں کرتا۔ واقعات کو بیان کرنے سے پہلے حضرت کے تقویٰ وتواضع کی امتیازی شان عرض کرتا ہوں۔ حضرت نے آپ بیتی میں اپنے اکابر کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ ان اکابر نے تصوف کو فقہ وحدیث کے ماتحت چلایا۔ بندہ عرض کرتا ہے کہ اسی طرح ہمارے حضرت روحی فداہ کا تقویٰ بھی فقہ وحدیث کے ماتحت ہے جو کہ صحابہ کرامؓ کے توہمات نہیں ہیں بلکہ سنت وشریعت کی مطلوبہ حقیقت ہے اور تکلف سے دور ہے۔

"قال ﷺ الحلال بین والحرام بین وبینھما امور مشتبھال لا یعلمھا کثیر من الناس فمن اتقی الشبھات استبرء لعرضه ودینه ومن وقع فی المشتبھات وقع فی الحرام.

یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا حلال بھی ظاہر اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان کے درمیان مشتبہ امور ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ پس جو شخص شبہات سے بچ گیا اس نے اپنی آبرو اور دین کو بچا لیا اور جو مشتبہات میں پڑا وہ حرام میں پڑ گیا۔ حرام وحلال کے ظاہر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کے حلال یا حرام ہونے کی شرعی قطعی دلیل ہو اور اس کے خلاف حکم کی کوئی شرعی دلیل نہ ہو۔ اس چیز کے استعمال کرنے میں حسب حکم ہی معاملہ کرنا چاہیے۔ اپنی طرف سے شبہ یا وہم پیدا کر کے

اس کے استعمال سے پرہیز کرنا تقویٰ نہیں ہے بلکہ تقویٰ کے خلاف ہے۔ یہاں جب شرعی دلیلوں میں تعارض ہو (یہ تعارض کئی وجوہ سے ہوسکتا ہے) کہ ایک وجہ اباحت کی اور ایک تحریم کی ہو تو وہ چیز مشتبہ ہوگی۔ اس کے استعمال سے پرہیز کرنا تقویٰ ہے۔ بلکہ شریعت مجبور کرتی ہے کہ بلاکم وکاست اس چیز کے ساتھ مشتبہ ہی کا معاملہ کیا جائے۔ مثلاً کتے کا جوٹھا پانی ناپاک ہے حرام ہے اور گھوڑے کا جوٹھا پاک و حلال اور خچر کا جوٹھا مشکوک و مکروہ ہے۔ اب اگر کسی وقت صرف کتے کا جوٹھا پانی ہو تو بلاتکلف تیمم کرنا ہوگا اور اگر گھوڑے کا جوٹھا ہو تو اس پانی سے وضو کرنا ہوگا چاہے کوئی نفیس طبیعت مانے یا نہ مانے۔ تیمم جائز نہیں اور اگر خچر یا گدھے کا جوٹھا ہو تو اس کے مشکوک ہونے کی وجہ سے مشکوک والا معاملہ کیا جائے گا یعنی وضو بھی کیا جائے گا کہ شاید پاک اور پاک کے ہوتے ہوئے تیمم جائز نہیں اور تیمم بھی کیا جائے کہ شاید ناپاک ہو اس سے وضو ہی نہ ہوا ہوگا۔ لہٰذا وضو اور تیمم دونوں ہی کرنے ہوں گے مگر کسی چیز کے مشتبہ قرار دینے کا کام مفتی کا ہے جو قواعد شرعیہ کی رو سے دلیلوں کے تعارض کی وجہ سے مشتبہ قرار دے گا نہ کہ ہر کس و ناکس اپنی طبیعت سے بے اصل توہمات کی بنا پر کسی چیز کو مشتبہ بنادے کہ یہ بات تقویٰ کی نہ ہوگی بلکہ گناہ کی بات ہوگی اور بعض وقت یہ گناہ دیگر کئی گناہوں کا سبب بن جاتا ہے۔ مثلاً کسی مسلمان کے مال کو بلا کسی شرعی دلیل کے حرام یا مشتبہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا اس کی دعوت کو رد کر دیا تو یہ انکار کرنے والا نام نہاد متقی اولاً شرع کا حکم بدلنے کے گناہ میں مبتلا ہوگا۔ پھر اپنے خیال میں احتیاط کرتے ہوئے اگر شرعاً درست بھی ہوتی تو زیادہ سے زیادہ مستحب بھی۔ ایک مسلمان کی دل آزاری کا مرتکب ہوا جو کہ حرام ہے جس سے پھر باہمی تفریق کینہ بغض وغیرہ پیدا ہوتا ہے اور اپنی ذات کے اعتبار سے پرہیزگاری کے عجب میں مبتلا ہوا اور اس قسم کا تقویٰ اکثر متکبرین ہی میں ہوتا ہے۔ وہاں دعوت وغیرہ سے انکار کی کوئی دوسری معقول یا غیر معقول وجہ ہو تو اس کی یہاں بحث نہیں) قبول دعوت و ہدایا میں حضرت اقدس کا عمل شریعت غرا کے مطابق ہوتا ہے اور بعض

وقت اس میں حضرت اپنی طبیعت اور صحت کی رعایت کے خلاف بھی کر لیتے ہیں اور یہی حقیقی تقویٰ اور حضرت کے تقویٰ و طہارت کا خصوصی ظہور حقوق، معاملات، آداب و اخلاق سے ہوتا ہے حضرت کے کمالات کے واقعات تو بے شمار ہیں لیکن یہاں صرف تقویٰ و تواضع ہی کے چند ایک واقعات لکھتے ہیں تا کہ ضمیمہ اصل رسالہ سے بڑھ نہ جائے۔

مدرسہ مظاہر علوم کی چارپائیوں، بستروں کا استعمال

حضرت سہارنپوری قدس سرہ کی حیات مبارکہ میں حضرت کو جب مہمان خانہ میں جانا ہوتا تو کبھی مدرسہ کی چارپائی پر تشریف نہ رکھتے، مہمان سے بات کرتے کھڑے رہتے یا بیٹھنے کی ضرورت ہوتی تو فرش پر بیٹھ جاتے اور مہمان حضرت قدس سرہ کے ساتھ چارپائی پر ہوتے مگر حضرت قدس سرہ کے وصال کے بعد چونکہ حضرت شیخ مدظلہ جانشین کے طور پر ہو گئے تو یہ مشکل پیش آئی کہ اگر حضرت زمین پر تشریف رکھیں تو مہمان مدرسہ کی چارپائی پر بیٹھے رہیں۔ ان کو بھی نیچے اترنا پڑتا۔ اس پر حضرت نے اس وقت سے ہمیشہ کیلئے مدرسہ کی تمام چارپائیاں اور تمام بستر اپنے ذاتی بنوانے شروع کر دیے تا کہ ان کو حضرات اور ان کے ذاتی مہمان بھی استعمال کر سکیں۔

دار جدید کی بجلی وغیرہ کا بل

دار جدید کی مسجد میں حضرت کے مہمان کا قیام ماہ رمضان المبارک میں اعتکاف کے سلسلہ میں ہونے لگا تو بجلی کے بلب زیادہ لگانا پڑتے تھے۔ اس کی وجہ سے حضرت نے مسجد اور باقی سارے دار جدید کے حجروں وغیرہ کے بجلی کا پورے مہینے کا کل بل اپنے ذمہ لے لیا مگر جب معلوم ہوا کہ بل انگریزی مہینوں کے حساب سے آتا ہے اور رمضان میں انگریزی مہینوں دو کی تاریخیں شامل ہوتی ہیں تو حضرت نے پورے دو ماہ کا بل اپنے ذمہ لے لیا یہ کل حساب حضرت کے روزنامچہ میں مفصل

درج ہے۔ ایک دفعہ مدرسہ کے ایک ذمہ دار جو بجلی کے فن سے ناواقف ہیں۔ انہوں نے شبہ ظاہر کیا کہ زیادہ بجلی خرچ ہونے سے بجلی کے تاروں کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ حالانکہ فنی لحاظ سے یہ بات اس طرح نہیں ہے لیکن حضرت نے ان کے شبہ کی بنا پر ۱۵۰ روپے کے نئے تار منگوا کر پورے تار بدلوا دیے۔

مدرسہ میں قیام کی وجہ سے کرایہ چندہ کے نام سے

جب حج کیلئے حجاز مقدس تشریف لانا شروع ہوا تو مدرسہ صولتیہ کے دیوان میں کچھ روز قیام ہوتا رہا اس قیام کی وجہ سے ایک دفعہ ایک بھاری رقم مدرسہ میں چندہ کے نام سے داخل کی۔

مدرسہ تحفظ القرآن مدینہ منورہ کا قصہ

مدینہ منورہ میں مدرسہ علوم شرعیہ میں جو قیام کیلئے کمرے وقف ہیں ان کے ایک کمرہ میں حضرت کا قیام رہتا تھا جو مدرسہ والوں کے انتہائی اصرار کی وجہ سے قبول فرمایا ہوا ہے گزشتہ سال حضرت کے برابر والے کمرہ میں تحفیظ القرآن کا مکتب تھا جو بعد میں وہاں سے ختم ہو کر مسجد فاطمہ میں منتقل ہو گیا۔ مدرسہ والوں نے کمرہ حضرت کے تصرف میں دے دیا۔ وہاں حضرت کے عزیز مولانا عاقل صاحب مدظلہ اور مولانا سلمان صاحب مدظلہ حضرت کی نگرانی میں حدیث پاک کے سلسلہ میں تراجم بخاری سے متعلق کام کیا کرتے تھے۔ کمرے میں ایک پنکھا رکھا تھا جس کو وہ حضرات تقریباً مہینہ بھر استعمال کرتے تھے۔ بعد میں حضرت کے علم میں آیا کہ یہ پنکھا مدرسہ علوم شرعیہ کا نہیں ہے بلکہ تحفیظ القرآن والوں کا ہے جو کہ لاعلمی میں استعمال ہوتا رہا۔ حضرت کو اس کے استعمال سے افسوس ہوا اور اس کا کرایہ ادا کرنے کی غرض سے تحفیظ القرآن کے ناظم یا مشرف سے تحریری پوچھا اور آئندہ کیلئے اپنے عزیزان کو بازار سے نیا پنکھا منگوا دیا۔ مشرف صاحب نے کہا کہ گزشتہ استعمال کا کوئی کرایہ نہیں، نہ ہمارے ہاں اس کی کوئی مد ہے۔ حضرت اس کا کچھ خیال نہ فرمائیں۔ حضرت نے

فرمایا کہ چندہ کے نام سے لے لیں، تخمینہ بتا دیں مگر وہ نہیں مانے۔ دو تحریر ارسال کیں کہ میں بحیثیت انچارج لکھتا ہوں کہ آپ پر مدرسہ کی طرف سے کوئی مطالبہ نہیں۔ سابق استعمال کی ہماری طرف سے اجازت ہے۔ ان کی تحریر تو موجود نہیں مگر مضمون یہی تھا۔ اس پر حضرت نے ایک سو ریال جو کہ نئے پنکھے کی قیمت ہوتی ہے کرایہ کے بدلہ میں چندہ کے نام سے مندرجہ ذیل پرچہ کے ساتھ بندہ کے ہاتھ روانہ کیے جس کو انہوں نے قبول کیا۔ پرچہ کی نقل درج ذیل ہے۔

مکرم و محترم الحاج مولانا عبدالمالک صاحب مدفیوضکم بعد سلام مسنون جناب کا گرامی نامہ مختصر پہنچا۔ میں تو پہلے پرچہ میں بہت صفائی سے لکھ چکا ہوں کہ چونکہ چندہ کا مال ہے اس کے معاف کرنے کا حق نہ آپ کو ہے نہ صدر صاحب کو اور نہ آپ کے معاف کرنے سے معاف ہو سکتا ہے۔ آپ یا صدر صاحب اپنے پاس سے مجھے کچھ عطیہ فرما دیں سر آنکھوں پر اور آپ کو یہ لینے میں اشکال ہو تو میری طرف سے چندہ میں داخل کر لیں۔ رسید مجھے چاہیے نہیں اور اگر کوئی دستور آپ کے یہاں رسید کا ہو تو مجھے انکار نہیں۔ آپ کے صدر صاحب سے تو مجھے نیاز نہیں مگر آپ سے کہوں گا کہ آپ ضرور مجھے مرحمت فرمائیں۔ میں لے لوں گا۔

فقط والسلام

حضرت شیخ الحدیث صاحب

بقلم حبیب اللہ ۱۴ جولائی ۷۵ء

طلباء کی سفارش

ذیل کے واقعہ کو حضرت شیخ مدظلہ نے آپ بیتی میں اپنی چند بری عادتوں کے عنوان سے ذکر فرمایا ہے اور بندہ یہاں پر حضرت کے تقویٰ اور تواضع کے تحت نقل کر رہا ہے۔ مثلاً اسی قصہ میں مدرسہ کے مصالح کو اپنی ذاتی مصالح پر مقدم رکھنا تقویٰ

ہی کی وجہ سے ہے اس طرح چند واقعات مظاہر کے حالات میں یا کسی دوسرے سلسلہ میں آپ بیتی میں آگئے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کی اسٹرائیک میں میرے ایک بہت قریبی عزیز شریک تھے۔ میں (شیخ الحدیث صاحب) نے مظاہر علوم میں شدت سے یہ اعلان کر دیا تھا کہ دارالعلوم کا کوئی اسٹرائیکی مظاہر علوم میں داخل نہیں کیا جائے گا۔ میرے اس عزیز کے والد مرحوم جو میرے بھی بزرگ اور میرے بڑوں کے بھی بزرگ اور حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کے بھی اخص الخصوص وہ مرحوم اپنے بچے کو لے کر آئے۔ ہمارے حضرت ناظم صاحب نور اللہ مرقدہ اعلی اللہ مراتبہ اپنے موقعوں پر یہ کہہ کر الگ ہو جاتے تھے کہ زکریا سے بات کر لیجیے۔ مرحوم یہ سن کر زکریا سے بات کر لیجیے بہت خوش ہوئے کہ اب تو گھر کی بات ہوگئی۔ مرحوم نے مجھ سے فرمایا کہ اسے مظاہر میں داخلہ کیلئے لایا ہوں، ناظم صاحب نے تیرے حوالہ کر دیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مدرسہ نے یہ طے کیا ہے کہ دارالعلوم کا کوئی اسٹرائیکی مظاہر میں داخل نہ ہوگا۔ اول تو مرحوم نے مجھے بہت شفقت سے فرمایا پھر ڈانٹ کر فرمایا میں نے کہا یہ میری ذات کا قصہ نہیں ہے مدرسہ کا قصہ ہے اور مدرسہ کی مصالح ہمیشہ ذاتی تعلقات پر مقدم ہونے چاہئیں۔ مرحوم نے فرمایا کہ اگر میں حضرت تھانوی کی سفارش لکھوا لاؤں تو کیا کرے گا۔ اگرچہ حضرت تھانوی کے یہاں سفارش بہت مشکل تھی مگر مرحوم کے تعلقات پر مجھے اندیشہ ضرور ہوا کہ اگر مرحوم نے درخواست کی تو حضرت قانونی اور آئینی الفاظ میں کچھ ضرور تحریر فرما دیں گے۔ میں نے مرحوم سے عرض کیا کہ اگر حضرت قدس سرہ نے سفارش فرمادی تب تو میں حضرت سے عرض کروں گا کہ حضرت مدرسہ کا قصہ ہے اور حضور ﷺ کی سفارش حضرت بریرہؓ نے قبول کرنے سے معذرت کر دی تھی اور اگر حضرت نے بحیثیت سرپرست حکم دیا اور تحریر فرمایا کہ میں بحیثیت سرپرست حکم دیتا ہوں تو پھر مجھے کوئی عذر نہ ہوگا اور نہ صرف عزیز موصوف کو بلکہ جتنوں کیلئے حضرت فرمادیں کہ داخل کرلیا جائے گا۔ یہ خود میں بھی سمجھتا تھا اور وہ بھی

سمجھتے تھے کہ حضرتؒ ایسے کیسے تحریر فرما سکتے ہیں۔

مدرسہ کی اینٹیں ڈھونا

مدرسہ کے معاملات میں نہ صرف اس ناکارہ کا بلکہ اس زمانہ کے تقریباً ہر مدرس اور ملازم کا یہ قانون اور اصول موضوعہ کے طور پر طے شدہ مفروضہ تھا کہ ہمارا کوئی حق مدرسہ پر نہیں جو مدرسہ کی طرف سے مل رہا ہے وہ اللہ کا احسان اور اسی کا عطیہ ہے اور ثانیاً مدرسہ کا احساس ہے اور ہم لوگوں کو کوئی حق مدرسہ پر نہیں ہے اور مدرسہ کا ہر ایک کام چاہے کتنا ہی معمولی سا ہو حتیٰ کہ درسگاہ میں جھاڑو تک دینے سے بھی مدرس کو عار نہیں تھا۔ اس زمانہ میں یاد نہیں کہ استنجاء کے ڈھیلوں کی اینٹوں کیلئے حمام کی کڑیوں کیلئے کسی ملازم یا مزدور کو بلانے کی ضرورت کبھی پیش آئی ہو۔ میں نے دربان سے کہہ رکھا تھا کہ جب اینٹوں یا لکڑیوں کی گاڑی آوے اوپر درسگاہ میں مجھے اطلاع کر دے میں گھنٹہ کے ختم پر ایک طالب علم کو مولانا عبدالرحمٰن کے پاس یہ کہہ کر بھیج دیتا تھا کہ اینٹیں آئی ہیں، میں نیچے جا رہا ہوں مولانا مرحوم بھی فوراً پہنچ جاتے اور ہم دونوں کو جاتے دیکھ کر دونوں کے یہاں کی جماعتیں ایسی دوڑتیں کہ ہم سے پہلے وہاں پہنچ جاتے۔ ہم دونوں کو تو ایک پھیرا بھی مشکل سے کرنا ہوتا تھا کہ راستہ میں کوئی طالب علم چھین لیتا تھا۔

حضرت مرشدی شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کا سفر حج ۴۴ھ اور تنخواہ

جب حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ ۴۴ھ میں حجاز مقدس روانہ ہونے لگے تو میں نے (حضرت شیخ الحدیث صاحب) عرض کیا کہ حضرت بذل کا کیا ہوگا۔ حضرت قدس سرہ نے بہت قلق کے ساتھ فرمایا کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہوگا۔ تمہارے بغیر تو میں لکھ نہیں سکتا اور تمہارے جانے کی کوئی صورت نہیں۔ اہل وعیال ساتھ ہیں اور طویل قیام ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اب تو یہ خیال ہے کہ میں

حجاز چلوں حضرت قدس سرہ کا چہرہ خوب یاد ہے خوشی سے کھل گیا اور فرمایا تمہارے خرچ کا کیا ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس کا تو بالکل فکر نہیں ۳۸ھ میں بھی قرض لے کر گیا تھا۔ حالانکہ اس وقت قرض ملنا بہت دشوار تھا اور اس وقت بہت آسان ہے اب بھی لے لوں گا۔ حضرت نے فرمایا تمہاری مدرسہ میں کچھ تنخواہ بھی جمع ہے اس کی شرح یہ ہے کہ ۳۵ھ میں جب میں ملازم ہوا تھا اور میری تنخواہ پندرہ روپے ہوتی تھی (احقر اقبال عرض کرتا ہے کہ اس دور میں حضرت کو دوسرے مدارس میں سینکڑوں روپوں کی بڑی بڑی تنخواہوں کی پیشکش اور بہت اصرار ہوتے تھے مگر حضرت اقدس نے قبول نہیں فرمایا تھا یہ دوسرا مضمون ہے اس لیے یہاں تفصیل نہیں لکھتا) اس وقت بڑے حضرت رائے پوری شاہ عبدالرحیم صاحب نور اللہ مرقدہ نے مدرسہ میں تو سفارش کی تھی کہ پندرہ روپے تنخواہ بہت کم ہے کم از کم ۲۵ روپے ہونا چاہیے اور مجھ سے یوں ارشاد فرمایا تھا کہ جب اللہ توفیق دے مدرسہ کی تنخواہ چھوڑ دیجیو۔ جس کا اثر یہ تھا کہ میرا حضرت رائے پوری قدس سرہ کے ارشاد کی وجہ سے تو تنخواہ لینے کو جی نہیں چاہتا تھا مگر میرے حضرت اقدس سرہ لیتے تھے۔ اگرچہ میرے والد میرے صاحب قدس سرہ نے کبھی نہیں لی۔ پھر بھی چونکہ میرے حضرت لیتے تھے اس لیے میں نے نہ لینا بے ادبی سمجھا تھا۔ اس لیے کسی ماہ میں اس کا غلبہ ہوتا تھا کسی میں اس کا۔ البتہ نہ لینے کی وجہ سے میری ترقیاں رکتی رہیں، جب مدرسین کی ترقی کا وقت آتا تو دوسرے مدرسین کی ترقی ہوتی تو اگر میں اس سے پہلے مہینوں میں تنخواہ لینے والا ہوتا تو میری بھی چار پانچ روپے ترقی ہو جاتی اور جس زمانہ میں میں تنخواہ نہ لیتا مہتمم صاحب فرما دیتے کہ وہ تو پہلے ہی سے نہیں لیتا ہے اس کی کیا ترقی؟

بہر حال محرم ۳۵ھ سے شعبان ۴۴ھ تک نو سو پینتالیس روپے میری تنخواہ کے جمع تھے جو اس زمانہ میں حج کے اخراجات سے بہت زائد تھے۔ حج کا خرچ اس زمانہ میں زیادہ سے زیادہ چھ سو روپے تھے حضرت کے ذہن میں یہ تھا کہ بقدر اخراجات لے کر بقیہ اہل وعیال کے خرچ کیلئے دے جاویں میں نے عرض کیا کہ حضرت اس کا

فکر نہ فرماویں خرچ کا انتظام ہو جائے گا۔ اس تنخواہ کا لینا تو جائز نہیں، اکابر کی خدمت میں گستاخ تو ہمیشہ رہا۔ حضرت نے فرمایا کیوں؟ عرض کیا جن مہینوں کی تنخواہ نہیں لی ان میں اس نیت سے پڑھایا کہ تنخواہ نہیں لوں گا اب اس کے لینے کا کیا حق ہے۔ حضرت قدس سرہ نے فرمایا تم نے کوئی درخواست مدرسہ کو دی تم اجیر تھے مدرسہ مستاجر تمہیں یک طرفہ فسخ اجارہ کیا کیا حق تھا جب تک کہ ہم قبول نہ کریں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس میں اجارہ کی تو کوئی بات نہیں۔ ایک شخص کام کرتے ہوئے یہ نیت کرے کہ بوجہ اللہ کر رہا ہوں۔ اس کے بعد اس کو معاوضہ لینے کا کیا حق ہے۔ حضرت ناظم صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ انہوں نے حضرت سے عرض کیا حضرت میں انہیں سمجھا دوں گا۔ حضرت بہت خوش ہوئے اور میں بھی بہت خوش ہوا کہ حضرت کے سامنے تو بہت ادب سے ڈرتے ڈرتے کوئی لفظ کہوں تھا اور ناظم صاحب سے خوب کھل کر مناظرہ ہوا انہوں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت یہ نہیں مانتا۔

حضرت تھانوی قدس سرہ بھی مدرسہ کے سرپرستوں میں تھے اور مولانا ظفر احمد صاحب تھانہ بھون کے مفتی اعظم اور مجھ سے بے حد بے تکلفی۔ میں نے ان سے کہا کہ مدرسہ کے کاغذات میری تنخواہ کے سلسلے میں حضرت کے پاس آویں گے۔ حضرت سے میری تنخواہ نامنظور کروا دیجیو۔ انہوں نے حضرت سے نہ معلوم کیا کہا۔ جب میری درخواست ڈیڑھ سال کی چھٹی کی اور مہتمم صاحب کی طرف سے اس پر تحریر کہ اس کی تنخواہ بھی کچھ رُکی ہوئی ہے اس کے دینے کی بھی اجازت دی جائے تو حضرت تھانوی نے چھٹی بخوشی منظور فرما لی اور تنخواہ کے متعلق تحریر فرمایا کہ اگر قبض الوصول میں تنخواہ درج ہے اور انہوں نے وصول نہیں کی تو اس میں سرپرستان سے اجازت کا کیا مطلب؟ اور اگر اس میں کوئی اشتباہ ہے تو اس کو ظاہر کیا جاوے۔ تا کہ اس پر غور کیا جاوے۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب بھی اسی وقت سرپرست بنائے گئے تھے۔ یہاں آئے میں نے ان سے بھی عرض کیا کہ تم سرپرست ہو اس تنخواہ کا لینا

میرے لیے جائز نہیں اسے نامنظور کر دیجیے لیکن حضرت قدس سرہ کی منظوری کے بعد حضرت تھانوی تو رد فرما سکتے تھے خدام میں سے کسی کو ہمت پڑتی، یہ گستاخیاں تو اللہ میاں نے اس ناکارہ کے حق میں رکھی تھیں جو ہمیشہ کرتا رہا۔

مولانا عاشق علی صاحب نے اوّل تو مجھ سے مناظرہ کیا اور جب ناظم صاحب کی طرح وہ بھی غالب نہ آسکے تو انہوں نے بحیثیت سرپرست میرے کاغذ پر لکھا کہ ڈیڑھ سالہ رخصت منظور ہے اور تنخواہ کے سلسلہ میں جیسا کہ اس کی طرف سے رخصت کی درخواست ہے اسی کی طرف سے یہ درخواست بھی ہونا چاہیے کہ میری تنخواہ مدرسہ سے دلوادی جائے۔

حضرت قدس سرہ نے جب حضرت میرٹھی کی تحریر دیکھی تو سمجھ گئے کہ میرا ان سے بھی مناظرہ ہوا ہے تو میرے حضرت قدس سرہ نے بہت ہی شفقت سے مجھ سے یوں فرمایا کہ بذل میرا ذاتی کام تو نہیں۔ مدرسہ ہی کا کام ہے اگر میں سرپرستان کی منظوری کے بعد تمہیں بکار مدرسہ اپنے ساتھ لے جاؤں اور آمد و رفت کے خرچ کے علاوہ وہاں کے قیام کی تنخواہ مدرسہ سے دلوادوں تو تم کیا کہو گے؟

میں نے عرض کیا۔ حضرت یہ عرض کروں گا بالکل جائز ہے ذرا تردد نہیں۔ حضرت نے فرمایا تمہاری جمع شدہ تنخواہ تو بہت کم ہوگی جتنا کہ اس صورت میں مدرسہ تم کو دے گا۔ میں نے کہا بالکل صحیح ہے۔ حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ پھر تم یہی سمجھ لو۔ اس پر میں نے تنخواہ تو لے لی لیکن حضرت رائے پوری کی نسبت کا اثر کچھ ایسا غالب تھا کہ مدینہ منورہ پہنچ کر میں نے سب سے پہلے مہتمم صاحب کو ایک خط لکھا جس میں اس تنخواہ کا تو ذکر نہیں کیا البتہ یہ لکھا کہ میرا ارادہ ایک عرصہ سے مدرسہ کے ان حقوق کے معاوضہ میں جو مجھ پر ہیں مدرسہ میں ایک بڑی رقم پیش کرنے کا ہو رہا ہے۔ مگر آپ کو معلوم ہے کہ مجھ سے جمع ہونا مشکل ہے۔ اس لیے بالفعل میری طرف سے صرف ایک ہزار روپے کا وعدہ اس طرح تحریر فرمالیں کہ اسی ماہ جمادی الاولیٰ سے مبلغ پانچ روپے ماہانہ میری واپسی تک میرے کارکن مولوی نصیر الدین سے اور بعد واپسی

کے خود مجھ سے وصول فرماتے رہیں۔ اگر اس کے پورا ہو جانے سے قبل میرا انتقال ہو جائے تو اس وقت جس قدر رقم باقی ہو وہ میری وصیت ہے جو کہ متروکہ سے وصول کی جائے۔

محررہ از مدینہ منورہ ۵ جمادی الاوّل ۴۵ھ اللہ کے فضل سے جب یہ رقم ادا ہو گئی تو مجھے رائے پوری جذبہ سے یہ خیال ہوا کہ اس سے پہلے زمانہ میں جو تنخواہیں لی ہیں وہ بھی واپس کر دی جاویں۔ اللہ نے وہ بھی واپس کرادیں۔ یہ تو چندہ کے طور پر گویا خفیہ طور پر واپسی تھی۔ اس کے بعد آخری زمانہ میں جبکہ اکثر مدرسین حضرت کے خدام ہی میں سے تھے ان کی تعلیم وتربیت کی غرض سے دوبارہ تنخواہ ہی کے نام سے رقم داخل مدرسہ کی۔

اپنے تعلق کی وجہ سے کسی طالب علم کا کھانا جاری کروانا

یہ ناکارہ (حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ) رجب ۲۸ ہجری میں مدرسہ میں طالب علم کی حیثیت میں آیا اور اب محرم ۹۳ھ تک طالب علمی، مدرسی، سرپرستی سارے ہی مراحل طے کر چکا ہے مگر مجھے یاد نہیں کہ ان سارے ادوار میں کسی طالب علم کی اپنے تعلق کی وجہ سے مدرسہ میں کھانا جاری کرنے کی سفارش کی ہو۔ بارہا بلکہ بیسیوں مرتبہ اس کی نوبت آئی کہ کسی طالب علم کا کسی جرم یا امتحان میں ناکامی پر کھانا بند ہوا اور اس نے حضرت مولانا الحاج عبداللطیف صاحب نور اللہ مرقدہ (ناظم صاحب) سے خود یا اولیاء کے ذریعہ سے سفارش کرائی اور حضرت ناظم صاحب نے تحریر فرمادیا کہ اگر زکریا سے سفارش لکھوادو تو میں جاری کر دوں گا اور جب وہ کاغذ یا پیام میرے پاس آتا تو میرا ایک ہی جواب ہوتا تھا کہ مدرسہ سے تو سفارش نہیں کروں گا۔ جب تک اس کا کھانا بند ہے میرے ساتھ کھالیا کرے۔

مطبخ سے اپنے لیے کھانا جاری کروانے کو ہمیشہ کیلئے بند کر دیا

ایک دفعہ حضرت کے گھر والے سہارنپور میں موجود نہیں تھے۔ اس وقت

حضرت نے اپنے لیے مدرسہ کے مطبخ سے ایک خوراک اپنے نام جاری کروا رکھی تھی۔ ایک طالب علم جو حضرت کے ساتھ کھانا کھاتے تھے وہ اپنا کھانا بھی مدرسہ سے لاتے تھے۔ ایک دن انہوں نے کہا کہ آپ کے شوربہ کے پیالہ میں تاڑ زیادہ ہوتا ہے اور میرے میں کم اور یہ اس لیے ہے کہ مدرسہ میں آپ کا لحاظ ہے۔ حضرت نے دونوں پیالوں کو دیکھا تو واقعی حضرت کے پیالہ میں تاڑ (اوپر کی روغنی رونق) زیادہ تھا۔ حضرت نے اسی دن سے ہمیشہ کیلئے اپنے نام سے کھانا منگوانا بند کر دیا۔ البتہ کئی کئی طلباء کا کھانا حضرت کے حساب میں جاری رہا کرتا تھا۔

صل من قطعک

حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ میرا اور میرے چچا جان نور اللہ مرقدہ (حضرت شیخ اور حضرت دہلوی) کا ہمیشہ یہ معمول رہا کہ اپنی یک شبانہ حاضری کاندھلہ میں جملہ اعزہ کے گھروں میں جا کر ان سے ایک ایک دو دو منٹ کیلئے ضرور ملتے۔ میرا کاندھلہ جانا چھ ماہ آٹھ ماہ میں ایک شب کیلئے ہوتا تھا۔

ایک دفعہ آٹھ ماہ بعد میرا کاندھلہ جانا ہوا اور اپنی عادت کے موافق سب گھروں کا چکر لگایا۔ میرے محترم عزیز برادرِ معظم ماسٹر محمود الحسن کاندھلوی اس وقت کاندھلہ میں تھے۔ میرے ساتھ وہ بھی بادل ناخواستہ میری خاطر میں سرگشت چل دیے۔ میں ایک عزیز کے گھر گیا جو ایک معمولی سی بات پر اور محض غلط فہمی سے اپنے دل میں حضرت سے ناراض تھے جس کا حضرت کو احساس تک بھی نہ تھا جس کا مفصل قصہ آپ بیتی نمبر ۳ میں آموں والا قصہ کے عنوان سے درج ہے۔ یہاں اختصار کے خیال سے نقل (نہیں کیا) میں نے سلام کیا انہوں نے منہ پھیر لیا۔ میں نے مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھائے مرحوم نے ہاتھ کھینچ لیا۔ بھائی محمود کا اس وقت غصہ کے بارے چہرہ سرخ ہو رہا تھا میں نے ایک مونڈھا کھینچا اور ان عزیز کے قریب دو منٹ بیٹھ کر چلا آیا۔ انہوں نے میری طرف منہ نہیں کیا۔ جب وہاں سے واپس آ رہا تھا راستے

میں بھائی محمود نے کہا ''بے غیرت بے حیا'' پھر بھی ان کے یہاں آوے گا۔ میں نے کہا ضرور آؤں گا۔ یہ ان کا فعل تھا جو انہوں نے کیا، وہ میرا فعل ہوگا جو میں کروں گا۔ ہمیں حدیث پاک میں ''صل من قطعک'' کا حکم دیا گیا ہے مگر مالک کا ایک عجیب احسان یہ رہا کہ جس جس سے ابتداء لڑائی رہی اس سے انتہا وہ تعلقات بڑھے کہ شاید دبایدیہ مرحوم عمر میں مجھ سے بڑے تھے۔ اخیر میں ان کا یہ اصرار رہا کہ تجھ ہی سے بیعت ہوں گا اور تیرے ہی پاس پڑ کر مروں گا۔ اتنا بڑھا کہ حد وحساب نہیں۔

حضرت شیخ کا ادب

ویسے تو کل کائنات اللہ کی مخلوق ہے لیکن جن چیزوں پر اللہ کا نام لگا ہو اور خاص طور پر اس کی طرف نسبت ہو اور وہ اللہ کی نشانیوں میں شمار ہوں ان کا ادب و تعظیم کرنا تقویٰ وتواضع کی علامت ہوتی ہے۔ اس لیے حضرت کے ادب کے چند قصے بھی اس فصل کے مناسب ہونے کی وجہ سے یہاں ذکر کرتا ہوں۔ یہ واقعات حضرت کے بچپن اور شروع جوانی کے ہیں۔

مرشد قدس سرہ کے حجرہ شریفہ کی چھت پر قدم نہ رکھنا

حضرت کے والد صاحب حضرت مولانا یحییٰ صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ یہ (حضرت والا) اپنے حضرت کا ادب دل سے کرتا ہے۔ یہ ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے جس کی شرح یہ تھی کہ حضرت والا قدس سرہ کا حجرہ کتب خانہ کا غربی کمرہ تھا جس کے باہر کا حصہ بالکل خالی تھا۔ خالی جگہ کے نیچے حضرت سہارنپوری قدس سرہ کا حجرہ تھا۔ والد صاحب کے حجرہ سے زینہ میں آنے کیلئے حضرۃ قدس سرہ کے حجرہ کی چھت پر کو آنا پڑتا تھا تو حضرت بجائے اس چھت کے برابر کی منڈیر پر سے ہمیشہ گزرتے تھے جس کو والد صاحب دیکھتے تھے۔

شیخ کی طرف متوجہ رہنے کا عجیب واقعہ

ایک عجیب واقعہ سنا کہ حضرت سہارنپوری قدس سرہ اپنی سہ دری میں تشریف

فرما ہوتے اور حضرت شیخ کتب خانہ میں مشغول ہوتے سہ دری کے باہر پہلے وسیع صحن ہے اس کے آخر میں دوسری منزل پر کتب خانہ ہے۔ حضرت سہارنپوریؒ جب حضرت شیخ کو طلب کرتے تو دربان سے آہستہ سے فرماتے کہ اوپر سے مولوی زکریا کو بلا لاؤ۔ وہ پوری بات نہ سن سکنے کی وجہ سے پوچھتا کہ حضرت کیا فرمایا؟ اتنے میں حضرت شیخ اوپر سے پکار کر جواب دیتے کہ حضرت حاضر ہو رہا ہوں۔ یہ قصہ بہت دفعہ پیش آیا۔

کوئی حدیث بلا وضو نہیں پڑھی

حضرت فرماتے ہیں کہ میرے ایک رفیق درس حسن احمد مرحوم تھے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے دورہ حدیث میں میرے اور مرحوم کے دو اہتمام تھے ایک یہ کہ کوئی حدیث ایسی نہ ہو کہ جو استاد کے سامنے پڑھنے سے رہ جائے۔ دوسرے یہ کہ بے وضو کوئی حدیث نہ پڑھی جائے۔ میرا اور مرحوم کا دستور یہ تھا کہ ہم میں سے جس کو وضو کی ضرورت پیش آ جاتی (اس لیے کہ پانچ چھ گھنٹے مسلسل سبق ہوتا تھا) وہ دوسرے کو کہنی مار کر یک دم اُٹھ جاتا اور دوسرا ساتھی فوراً ابا جان پر کوئی اشکال کر دیتا۔ اگرچہ اس کی نوبت تو بہت کم آتی تھی، مہینے دو مہینے میں اس کی نوبت آتی تھی، اس لیے کہ صحت اچھی تھی اس سیاہ کار کا تو اس زمانے میں ظہر کے وضو سے عشاء پڑھنے کا معمول سالہا سال رہا۔ پھر بھی کبھی نہ کبھی ضرورت پیش آ جاتی تھی۔ والد صاحب پہلی مرتبہ یہ سمجھ گئے تھے کہ یک دم ایک ساتھی اُٹھا ایک منٹ میں آستین اتارتا ہوا بھاگا آ رہا ہے۔ اس سے ان کو اندازہ بھی ہو گیا تھا اور اس چیز سے ان کو مسرت بھی تھی۔ ایک مرتبہ حسن احمد مرحوم اللہ تعالیٰ ان کو بہت ہی بلند درجے عطا فرمائے میرے کہنی مار کر اٹھا اور اس کے اُٹھتے ہی میں نے والد صاحب نور اللہ مرقدہ سے عرض کیا کہ حضرت فتح القدیر میں یوں لکھا ہے کہ بالکل بے سوچے کہا۔ اس فقرے پر والد صاحب بے ساختہ ہنس پڑے اور کتاب میں نشان رکھ کر اس کو بند کر کے مجھ سے فرمایا کہ جب تک حسن احمد آوے میں تمہیں ایک قصہ سنا دوں۔ میں تمہاری فتح

القدیر سے کہاں لڑتا پھروں گا۔ چنانچہ ایک قصہ سنا دیا (اور وہ مرحوم واپس آ گئے) ہم دونوں کے وضو میں آدھے منٹ سے زائد وقت نہ لگتا تھا۔

مدینہ پاک، باب نساء قدیم

حضرت اپنی حاضری پر مسجد نبوی کے خدام حضرت اغوات بواب وغیرہ پر ایک تو عمومی طور پر ہدایا تقسیم فرماتے ہیں پھر بعد میں جن دروازوں سے حضرت کا زیادہ جانا ہوتا ہے ان کے دربانوں کو بھی کبھی کچھ پیش فرماتے رہتے ہیں۔ زیادہ تر باب جبریل اور باب عمرؓ سے حاضری ہوتی ہے لیکن فرمایا کرتے ہیں کہ باب جبریلؑ کے ساتھ والا دروازہ جو باب نساء قدیم کہلاتا ہے اس کے دربان کو بھی کچھ ضرور پیش کروں۔ ایک روز عرض کیا کہ وہاں سے تو جانا ہی کبھی نہیں ہوتا فرمایا کہ اس دروازہ سے میرے حضرت جایا کرتے تھے۔ اس وقت یہی ان کی قیام گاہ کے سامنے تھا اس فرمانے کے ساتھ ہی آنکھیں نم ہو گئیں۔

حضرت کا کھدر کا استعمال

حضرت شیخ مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہ کو کھدر سے عشق تھا اور ولایتی کپڑوں سے نفرت تھی۔ یہ تو ساری دنیا کو معلوم ہے لیکن اس سیاہ کار کے حال پر ایک مزید شفقت یہ تھی کہ میرے بدن پر جب بھی بدیشی کرتہ دیکھتے گریبان میں ہاتھ ڈال کر ایسے زور سے چاک فرماتے تھے کہ نیچے تک وہ پھٹ جاتا تھا۔ حضرت قدس سرہ کی حیات تک ڈر کے مارے کھدر کا میرے یہاں بہت ہی استعمال رہا۔ چونکہ حضرت کی آمد کا کوئی وقت مقرر نہ تھا نہ دن رات اس لیے گرمی میں بھی کھدر کا کرتہ جھک مار کر پہننا پڑتا تھا۔

احقر ناقل (محمد اقبال) سے حضرت مولانا عبداللہ صاحب دھرم کوٹی نے بیان فرمایا کہ جس زمانہ میں حضرت شیخ الحدیث صاحب کو کھدر کا کرتہ پہننا گرمی کی شدت کی وجہ سے بہت دشوار ہو گیا تھا تو ململ پہنتے تھے مگر حضرت مدنی قدس سرہ کی آمد کی

اطلاع ملنے پر جلدی سے ململ کا کرتہ نکال کر کھدر کا کرتہ پہنتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت مدنی قدس سرہ بدیشی کپڑے پہننے والوں پر برس رہے تھے اور حضرت شیخ الحدیث کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ایسے ایسے مشائخ بھی ململ پہنتے ہیں تو حضرت شیخ نے کرتہ سامنے کر کے فرمایا کہ حضرت یہ تو کھدر ہے۔ حضرت مدنیؒ نے فرمایا مجھے معلوم ہے میرے ڈر کی وجہ سے بدل کر آئے ہو۔ اس پر حضرت شیخ مدظلہ نے فرمایا۔

کیا آپ کے کندھے پر بندوق رکھی ہے۔ میں نے تو اللہ کے ڈر کی وجہ سے پہنا ہے اس لیے کہ آپ اللہ کے مقبول ہیں آپ کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے۔

اُس کی صورت کہہ رہی تھی کہ وہ دھوکہ نہیں کرتا

ایک مرتبہ حضرت سہارنپوری قدس سرہ رنگون سے تشریف لا رہے تھے۔ یہ ناکارہ (حضرت شیخ مدظلہ) ایک دوروز سے پٹھان پورہ گیا ہوا تھا۔ یہ محلّہ اسٹیشن سے کچھ دور تھا۔ مجھے یاد آیا کہ حضرت کی تشریف آوری ہو رہی ہے اور کبھی اسٹیشن پر حاضری کی توفیق نہیں ہوئی۔ گاڑی کا وقت قریب تھا اور پیسہ جیب میں ڈالنے کی عادت والد صاحب نے کبھی ڈالی ہی نہ تھی۔ میرا خیال تھا کہ اسٹیشن پر بہت سے خدام ملیں گے کسی سے کہہ دوں گا کہ میرا بھی پلیٹ فارم لے لو۔ مگر جب میں اسٹیشن پر پہنچا تو گاڑی کا وقت بالکل قریب تھا اور سب خدام استقبال کیلئے اندر جا چکے تھے۔ میں ٹکٹ گھر کے قریب پہنچا اور وہاں بابو سے کہا کہ پیسے اس وقت میرے پاس نہیں ہیں۔ اگر پلیٹ فارم بطور قرض دے سکتے ہو تو دے دو۔ اس نے کھٹک کر کے ایک پلیٹ فارم فوراً دے دیا۔ میں اندر جا پہنچا تو سب سے پہلے مولانا منظور احمد خان صاحبؒ مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے پوچھا کہ چار پیسے جیب میں ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ بہت، میں نے کہا کہ آپ کو تکلیف تو ہوگی

آپ بابو کو چار پیسے دے آئیں اور ان کا شکریہ بھی ادا کر آویں، میں پلیٹ فارم قرض لے کر آیا ہوں۔ مولوی صاحب مرحوم نے فرمایا کہ آپ کیوں میرا مذاق اڑاتے ہیں کہیں پلیٹ فارم بھی قرض مل سکتا ہے۔ میں نے کہا ملا تو نہیں کرتا لیکن جس کا سارا کاروبار قرض پر چلتا ہو اسے مل جاتا ہے۔ انہوں نے جانے سے انکار کر دیا تو میں نے کہا لاؤ چار پیسے مجھے دو گاڑی آنے والی ہے کہنے لگے ہاں پیسے دے دوں گا اور جب میں پیسے لے کر ٹکٹ گھر کی طرف چلا تو وہ میرے پیچھے بہت تیزی سے ٹکٹ گھر کی طرف چلے اور جا کر اس سے پوچھا کہ کوئی شخص تم سے قرض پلیٹ فارم لے گیا ہے اس نے کہا ہاں لے گیا ہے۔ مولوی صاحب نے پوچھا کہ کیا قرض پلیٹ فارم بھی مل سکتا ہے۔ اس نے کہا ملتا تو نہیں مگر اس کی صورت کہہ رہی تھی کہ وہ دھوکا نہیں کر رہا ہے۔ (بابو سکھ تھا)

بذل کی رجسٹری کروالو

جس زمانہ میں مصر میں بذل المجہود کی طباعت ہو رہی تھی اور اس کی تصحیح وغیرہ کے سلسلہ میں ہزاروں روپے خرچ کر کے انتظامات کیے جا رہے تھے تو حضرت مولانا شیخ سلیم صاحبؒ سابق مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ اتنا روپیہ خرچ کر کے اتنے اہتمام سے کتاب طبع کرا رہے ہیں اور اس کی رجسٹری کروائی نہیں اگر کوئی اس کا فوٹو لے کر چھاپ لے گا تو وہ کتاب کو چوتھائی قیمت پر بیچ سکے گا اور آپ کی کتاب رہ جائے گی۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس کو فوٹو کروانے کی اُجرت تو میں خود پیش کر دوں گا اور بعد میں یہ کتاب میری بھی بک جائے گی۔

بیعت کے وقت ہدیہ

قبول ہدایا کے سلسلہ میں حضرت کے یہاں شروع میں زیادہ سختی تھی۔ مگر اب بلا کسی وجہ کے قبول کرنے میں انکار نہیں فرماتے۔ اگرچہ قبول فرماتے ہی مہمانوں پر

صرف کرنے کی نیت فرما لیتے ہیں اور کوئی خاص چیز ہو تو اپنے احباب یا خدام میں سے جس کو مناسب ہو اس کیلئے تجویز فرما دیتے ہیں (حتیٰ کہ حضرت رائے پوری قدس سرہ بھی مرغا وغیرہ بھیجتے تو اس کا اہتمام فرماتے کہ حضرت کے مکان کے باہر ذبح کر کے پیش کیا جائے۔ ورنہ حضرت شیخ تو زندہ ہی کسی کو دے دیں گے) لیکن اگر کوئی شخص بیعت سے پہلے یا بعد کوئی ہدیہ پیش کرے تو سختی سے انکار فرما دیتے ہیں اور کسی طرح بھی قبول نہیں کرتے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ یہ بیعت کے معاوضے کی شکل ہو جاتی ہے اور یہی معمول حضرت سہارنپوری قدس سرہ کا تذکرۃ الخلیل میں لکھا ہے۔

گرمی میں منہ پر کمبل

حضرت کے جس طرح باقی سب حالات نرالے ہیں اسی طرح صحت وامراض کا مسئلہ بھی عجیب ہے کہ سر مبارک پر سردیوں میں بھی گرمی رہتی ہے اور کوئی کپڑا وغیرہ استعمال نہیں کر سکتے اور پاؤں، ٹانگوں میں گرمیوں میں بھی سردی لگتی ہے۔ گرمیوں میں گرم کمبل ٹانگوں پر رہتا ہے۔ عورتوں کو بیعت یا تلقین وغیرہ پردے کے پیچھے بٹھا کر اس کے محرم کے واسطے کرواتے ہیں۔ گرمی میں ایک دفعہ ایک بے پردہ عورت اپنی دردناک حالت سنانے کیلئے سامنے ظاہر ہو گئی تو حضرت نے فوراً ٹانگوں والا کمبل چہرۂ انور پر اوڑھ لیا وہ کچھ دیر تک بات سناتی رہی حضرت اسی طرح گرمی برداشت کرتے رہے۔

زمین حرم کی عظمت

ایک حج میں حضرت کے معلم سید مکی مرزوقی کی موٹر کو حضرت و حرم لے جانے اور لانے اور لے جانے کیلئے مقرر تھی۔ ایک دفعہ نماز کے بعد حضرت حرم شریف سے باہر نکل آئے لیکن موٹر نہیں آئی کہ ڈرائیور کو کہیں دیر ہو گئی تھی۔ خدام نے دوسری موٹر لانے کیلئے عرض کیا مگر منظور نہیں فرمایا اور فرمایا کہ بعد میں وہ بیچارہ آئے گا ہم انتظار کر لیتے ہیں مگر حضرت کو معذوری کی وجہ سے کھڑے ہونا تو دشوار تھا وہیں زمین

پر بیٹھنے کا ارادہ فرمایا تو خدام نے فوراً اپنے مصلے بچھانا چاہے مگر حضرت نے اس کو قبول نہ کیا بلکہ بلا تکلف زمین پر بیٹھ گئے۔ خدام نے جب اصرار کیا تو فرمایا کہ تم اپنے لیے بچھالو، میں تو یہاں کا کتا ہوں زمین پر ہی بیٹھوں گا۔

مسجد نبوی اعلیٰ صاحبہا الف الف صلوۃ وسلام میں روزانہ کئی کئی گھنٹے بیٹھنا ہوتا ہے۔ حضرت چونکہ معذوری کی وجہ سے صرف چار زانوں ہی بیٹھ سکتے ہیں پاؤں پر کمبل ہوتا ہے لیکن حضرت کو اس بات کی کوشش اور اہتمام ہوتا ہے کہ ان کے پاؤں کا رُخ روضہ شریف کی طرف نہ ہو حالانکہ چار زانوں نشست میں سامنے کے پاؤں سیدھے ہی نہیں ہوتے جس کو عرف میں پاؤں سامنے کرنا کہا جائے صرف انگلیوں کا رخ ہوتا ہے مگر حضرت اس کو بھی نہیں ہونے دیتے۔

مواجہہ شریف پر حاضری

حضرت نے فضائل حج میں تحریر فرمایا ہے کہ مسجد نبوی میں سب سے افضل جگہ مصلیٰ شریف کی ہے جس کے ساتھ استوار خانہ ہے اگر ممکن ہو تو زائر کو یہاں پہلے دو نفل پڑھنا چاہیے مگر ۴۴ھ میں حضرت کا قیام یہاں سال بھر رہا۔ حضرت فرماتے ہیں کہ مجھے سال بھر میں کبھی بھی وہاں کھڑے ہونے کی جرات نہیں ہوئی اور اس کے بعد جب سے برابر حاضری ہونا شروع ہوئی تو بندہ نے دیکھا کہ صرف پہلی دفعہ ایک بار میں مواجہہ شریفہ پر حاضری دی۔ اس کے بعد اقدام عالیہ کی طرف دیوار کے ساتھ جہاں عام طور پر فقراء بیٹھتے ہیں وہیں سے کئی گھنٹے صلوٰۃ وسلام پڑھتے رہتے تھے اور عشاء کے بعد واپسی پر ریاض الجنہ میں دو نفل پڑھتے تھے۔ دوسرے روز بندہ کو خیال آیا کہ شاید ہجوم کی وجہ سے موجہہ شریف پر نہیں جاتے اس لیے عشاء کے بعد عرض کیا کہ اب وہاں ہجوم نہیں ہے۔ حاضری دے لیں۔ فرمایا کل حاضری دے دی تھی۔ بندہ نے تیسرے روز پھر عرض کیا تو فرمایا کہ بھائی سامنے جانے کی مجھ میں ہمت نہیں۔ کس منہ سے جاؤں۔ پہلی دفعہ تو مولوی سید اسعد صاحب کے ساتھ حاضر

ہو گیا تھا۔تم ضرور حاضری دے کر آؤ۔اس کے بعد اب تک سامنے نہیں آئے۔

آج مورخہ ۱۸ محرم ۹۷ھ کو ایک خط کے جواب میں لکھوایا کہ زیارت کی تمنا تو مبارک ہے مگر یہ وہبی چیز ہے اور بندہ نے فرمایا کہ مجھے خواب میں تو کئی دفعہ زیارت ہوئی لیکن خود اس کی تمنا کبھی نہیں ہوئی کیونکہ خیال ہوتا ہے کہ کس منہ سے سامنے جاؤں۔

چکی کا پاٹ

حضرت شیخ مدظلہ کی اپنی ذاتی آرا کے بارے میں تواضع

حضرت مدظلہ نے درس بخاری شریف کی شروع کی تقریر میں فرمایا کہ ایک بات جملہ معترضکہ کے طور پر سن لو۔وہ یہ ہے کہ میں کہیں بسا اوقات درس بخاری میں بڑے زور سے یہ کہوں گا کہ یہاں ایک چکی کا پاٹ ہے تشریح اس کی یہ ہے کہ جو بات نہ تو میں نے اپنے بڑوں سے سنی ہو اور نہ ہی کسی کتاب میں دیکھی ہو بلکہ اپنی ذاتی رائے ہو اس کو میں چکی کے پاٹ سے تعبیر کرتا ہوں اور دراصل یہ ایک قصہ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ ہے کہ ایک جاہل آدمی کو چند لوگوں نے اپنا پیر بنا لیا اور ہر بات اس سے دریافت کرتے اور پوچھتے کہ حضرت یہ کیا ہے؟ عرب میں ہاتھی نہیں ہوتا ایک مرتبہ کہیں سے آ گیا اور کسی جنگل میں کسی ریت پر گزرا جس کی وجہ سے اس کے پیروں کے بڑے بڑے نشانات ریت پر جم گئے ان پیر صاحب کے چیلوں کو وہ نشان نظر پڑا ان کیلئے یہ عجب چیز تھی۔فوراً اپنے گرو کے پاس آئے اور عرض کیا کہ حضرت ایک چیز ہے اس کو بتا دیجیے انہوں نے پہلے تو جانے کیلئے عذر کیا مگر مریدوں کے اصرار پر وہاں پہنچ کر خوب غور سے اس کو دیکھا۔اس کے بعد پہلے تو روئے پھر ہنسے۔لوگوں نے کہا کہ حضرت پہلے تو ایک بات قابل دریافت تھی اور اب تین باتیں قابل اشکال ہیں۔اول تو یہ کہ آپ ہنسے کیوں' دوسرے یہ کہ پھر روئے کیوں۔ تیسرے یہ کہ یہ کیا چیز ہے۔

انہوں نے جواب دیا کہ رونا مجھے اس پر آیا کہ ابھی تو میں تمہارے درمیان موجود ہوں جب مر جاؤں گا تو تم کو ان اہم اشیاء کا پتہ کون دے گا۔ میرے بعد تو کوئی ایسا ہے نہیں اور ہنسا اس پر کہ مجھے خود بھی اس کا پتہ نہیں۔ ان لوگوں نے کہا حضرت آپ اتنی تواضع نے فرمایئے آپ کو تو یہ ضرور معلوم ہوگا۔ پیر صاحب نے بہت غور کے بعد فرمایا اب میری سمجھ میں آیا کہ یہ چکی کا پاٹ ہے اور واقعہ یہ ہوا ہوگا کہ کوئی عورت چکی کا پاٹ بھول گئی ہوگی وہ یہاں پڑا تھا ایک ہرن اس طرف سے بھاگا ہوا گزرا اس کا پیر اس میں پھنس گیا وہ اس کو لے کر بھاگا جس کے یہ سب نشانات ہیں۔

بہر حال جب میں یہ کہوں کہ یہاں چکی کا پاٹ ہے تو سمجھ لو کہ وہ میری اپنی رائے ہے اور بھائی تواضع سے نہیں کہتا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ میری تحقیقات ایسی ہی ہیں۔

بندہ عرض کرتا ہے کہ حضرت کے اس تواضع کے جملہ میں قدرتی طور پر ایک نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت اپنی رائے مبارک اکثر دیگر اقوال نقل فرمانے کے بعد بیان فرمایا کرتے ہیں اور وہ چکی کے پاٹ کی طرح سب پر وزنی ہوتی ہے جس کا دل چاہے حضرت کی تقریروں کو ملاحظہ کر کے اس حقیقت کو دیکھ لے۔

حضرت مدظلہ کا درس حدیث میں انہماک و پابندی

ڈاکٹر مولانا تقی الدین صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت اقدس جن انہماک دلسوزی نشاط و سرگرمی تیاری و پابندی سے درس دیتے تھے اب اس کی صحیح تصویر کشی مشکل ہے۔ ایک دفعہ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ ساری سڑک پر گھٹنوں گھٹنوں پانی بھر رہا تھا۔ یہ ناکارہ مدرسہ قدیم میں کتاب لیے ہوئے منتظر تھا کہ بارش کم ہو تو سبق میں حاضر ہوں مگر بارش اسی زور وشور سے ہو رہی تھی۔ حضرت مولانا اسد اللہ صاحب مدظلہ العالی اس وقت مدرسہ قدیم میں تشریف رکھتے تھے۔ میں نے ان سے

دریافت کیا کہ حضرت اقدس آج بھی درس میں تشریف لے گئے ہوں گے۔ انہوں نے کہا بظاہر تو مشکل معلوم ہوتا ہے باہر سے معلوم کرلو۔ میں مدرسہ کے دروازے پر آیا وہاں فروٹ بیچنے والے سائبان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ حضرت تو دیر ہوئی تشریف لے گئے۔ یہ بے بضاعت جلدی جلدی دارالحدیث میں حاضر ہوا وہاں بجلی بھی غائب تھی۔ دارالحدیث میں اندھیرا چھایا ہوا تھا مگر درس شروع ہو چکا تھا۔ یہ ناکارہ چپکے سے جا کر بیٹھ گیا کہ مبادا نظر نہ پڑے مگر حضرت نے دیکھ لیا۔ فرمایا جانتے ہو کیسے آیا ہوں اپنے مکان سے چلا تو ایک ہاتھ میں بخاری شریف کا پارہ اور دوسرے میں چھتری تھی۔ جوتے ہاتھ میں نہیں لے سکتا تھا۔ نصف راستے تک آیا تو ایک رکشہ والا مل گیا اس نے اصرار سے مجھے بٹھایا اور یہاں لا کر میرے پیروں کو اور پائجامہ کے نیچے کا حصہ دھویا اور دارالحدیث پہنچا گیا۔ یہ ناکارہ یہ سن کر پانی پانی ہوگیا۔

حضرت والا پان کا استعمال بہت کثرت سے فرماتے تھے مگر کئی کئی گھنٹے کے درس میں کبھی پان استعمال نہیں فرمایا اور اس سے بھی بڑھ کر روز ہم لوگ دیکھتے ہیں کہ انتہائی کمزوری اور معذوری اور بڑھاپے کی حالت ہوگئی ہے اس حالت میں سخت گرمی میں کولر سے نکل کر دھوپ میں سے ہو کر لو میں گھنٹوں حرم شریف میں بیٹھنا اور اسی طرح سخت سردی میں ہیٹر کے سامنے سے اٹھ کر سردی اور ہوا میں نماز کیلئے جانا اور وہاں بیٹھنا ہوتا ہے۔

دعوت میں بلا اجازت شرکت کی ممانعت

حج میں حضرت کا وقوف عرفہ سید مکی مرزوقی کے خیمہ میں ہوتا ہے حضرت کے ساتھ چند مخصوص خدام بھی ہوتے ہیں جو کہ سید مکی مرزوقی کے حاجی ہوتے ہیں لیکن دُعا میں شامل ہونے کیلئے خدام کی ایک بڑی تعداد حضرت کے خیمہ کے اندر اور باہر حاضر ہو جاتے ہیں۔ یہ حجاج دوسرے معلموں کے حجاج ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ جب

حسب دستور حجاج کیلئے سید علی کی طرف سے کھانا آنا شروع ہوا تو حضرت نے دیکھا کہ کھانا تو بہت ہے لیکن ضابطہ میں یہ صرف انہیں حضرات کا ہوگا جو علی کے حاجی ہیں یا جنہوں نے علی کے خیمے کے پاس داخل کیے ہیں لیکن مجمع میں وہ خدام بھی ہیں جو علی کے حاجی نہیں یہاں صرف زیارت ودعا کیلئے حاضر ہوئے ہیں کہیں یہ حضرات تبرک کے عشق میں کھانے میں شریک نہ ہو جائیں۔ اگر چہ نہ تو کھانے میں کوئی کمی تھی نہ معلم صاحب کی طرف سے اشارۃً بھی کسی کو روکنے کا امکان تھا لیکن حضرت نے باوجود اس وقت کی یکسوئی کے کہ بات کرنا گوارہ نہ تھی بڑے اہتمام سے خود اعلان فرمایا کہ جو حضرات ان معلم صاحب کے حاجی نہیں وہ کھانے میں ہرگز شریک نہ ہوں۔ ان کو بلا اجازت کھانا حرام ہے پھر دو تین دفعہ پکار کر اعلان کروادیا۔

آئی ہوئی چیز کی واپسی کا اہتمام

ہدایا کے خالی برتنوں کی واپسی کا اہتمام تو حضرت کے خدام روزانہ دیکھتے ہیں۔ ۱۳۸۹ھ میں مدینہ منورہ کے زمانہ قیام میں الحاج مولانا عبدالحفیظ صاحب کے چچا جان زمزم شریف کا ایک ڈرم لائے چار پانچ روز کے بعد جب وہ واپسی کیلئے مصافحہ کرنے مدرسہ علوم شرعیہ میں آئے تو حضرت نے دریافت فرمایا کہ ڈرم واپس مل گیا؟ انہوں نے کہا نہیں۔ حضرت کا زمزم شریف چار جگہ ہوتا تھا۔ مدرسہ علوم شرعیہ' مسجد نور' بھائی حبیب اللہ صاحب کے مکان پر اور بندہ کے غریب خانہ میں اور ہم خدام بھی کئی تھے لیکن ایسی چیزوں کے نگران اور ذمہ دار جناب الحاج بھائی ابو الحسن صاحب تھے۔ اس وقت کسی کو معلوم نہ تھا کہ ڈرم کہاں ہے' مولانا سید اسعد صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ حضرت کو اب تک ڈرم واپس نہ کرنے پر گرانی ہوئی' غصہ کا عالم دیکھنے والا تھا مولانا اسعد صاحب نے دبی زبان سے کہا بھی یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ اس وقت واپسی کی ضرورت نہیں ہے مگر انہوں نے یعنی چچا جان نے سنا یا سمجھا نہیں۔ ہم سب پر خوب ڈانٹ پڑتی رہی۔ ایک صاحب سائیکل پر مسجد نور

گئے وہاں سے ڈرم لاکر بھائی حبیب اللہ کے یہاں خالی کیا اس میں دیر تو لگنی ہی تھی۔ حضرت مغرب کی نماز کیلئے وضو فرما کر بجائے حرم شریف جانے کے دوبارہ کمرہ میں آ بیٹھے کہ جب تک ڈرم نہیں آ جاتا میں حرم شریف بھی نہ جاؤں گا۔ یہیں نماز پڑھ لوں گا۔ ہم سب پر سکتہ کا عالم طاری تھا۔ چہرے فق تھے کہ ڈرم کا کچھ پتہ نہ تھا۔ اگر حضرت کی حرم شریف کی جماعت چلی جاتی تو سخت مصیبت کا خطرہ تھا کیونکہ حضرت کو حرم شریف کی نماز کا بھی بڑا اہتمام ہوتا ہے۔ آخر خدا خدا کر کے اذان سے پہلے ڈرم آ گیا اور ان کے سپرد ہوا۔ ناواقف حضرات کیلئے یہ بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ ڈرم لانے والے صاحب کے سارے خاندان سے حضرت والا کے بہت گہرے تعلقات ہیں۔ ذرہ برابر اجنبیت نہیں اگر ان کو اس شدت اہتمام کا وہم بھی ہو جاتا تو ڈرم کی واپسی کا شروع ہی میں انکار کر دیتے۔

ہدیہ کی ترغیب یا تحریک کے شبہ سے ناگواری

۸۹ھ کے قیام مدینہ منورہ کے زمانے کا واقعہ ہے کہ حضرت والا کے ایک مخلص خادم بھائی حبیب اللہ صاحب دہلوی ثم المدنی نے بندہ سے کہا کہ میں نے حضرت شیخ کیلئے ایک تھرمس خرید رکھا ہے۔ اس کو پیش کرنا ہے۔ ابھی پیش کر دوں یا حضرت کی ہندوستان روانگی کے وقت پیش کروں؟ بھائی حبیب اللہ بندہ کے بھی خاص دوست ہیں۔ اس لیے بے تکلفی سے کہہ دیا کہ جب چاہو پیش کر دو اور نیک کام میں کیا دیر کرنا۔ ایک صاحب نے بھائی حبیب اللہ صاحب کا مجھ سے پوچھنا تو سنا نہیں لیکن میرا جواب سن لیا اور حضرت اقدس کے سامنے ذکر بھی کر دیا۔ حضرت والا کو شبہ ہوا کہ بندہ نے بھائی حبیب اللہ کو تھرمس پیش کرنے کی ترغیب دی ہے۔ حضرت کو بہت ناگوار گزرا۔ ان دنوں بندہ بیمار تھا ہر وقت حاضر خدمت نہیں رہ سکتا تھا۔ اس لیے حکم آیا اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت بہت غصہ میں ہیں۔

حرم شریف سے نکلتے ہی بندہ نے سلام عرض کیا۔ حضرت نے سلام کے جواب

کے ساتھ ہی فرمایا تم پر میرے قیام کا بہت بوجھ پڑ رہا ہے۔ اب ہم چلے ہی جائیں گے۔ اتنا فرما کر حضرت قیام گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ بندہ نے ساتھیوں سے ناراضگی کا سبب پوچھا۔ پتہ چلا کہ تھرمس کی بات ہے۔ بندہ نے اسی وقت بھائی حبیب اللہ کو ساتھ لے لیا کہ اصل واقعہ وہ خود بیان کر دیں۔ حضرت نے کمرہ میں داخل ہوتے ہی پھر فرمایا "بہت طویل قیام ہو گیا ہے" بندہ رو رہا تھا' روتے روتے عرض کیا حضرت میں نے تو کسی سے بھی تھرمس کیلئے نہیں کہا۔ بھائی حبیب اللہ باہر کھڑے ہیں ان سے اصل واقعہ دریافت فرمالیں۔ حضرت والا پر اصل معاملہ ظاہر ہو گیا اور حضرت نے دیکھا کہ بیمار بھی ہے اور زار و قطار رو بھی رہا ہے۔ معاف فرما دیا اور اس سلسلہ میں کچھ پوچھ گچھ نہیں فرمائی۔ بلکہ دوسری بات شروع فرما دی۔ پھر کچھ دنوں کے بعد کسی سلسلہ میں فرمایا کہ میرے لیے کسی چیز کی ضرورت محسوس کرو تو بلا تکلف مجھ سے پیسے لے جایا کرو۔ میں نے عرض کیا کہ اخراجات کیلئے پہلے ہی میرے پاس کافی رقم جمع کروا رکھی ہے۔ فرمایا میں نے احتیاطاً کہا ہے۔

عید الفطر ۱۳۹۰ھ کی رات حضرت شیخ زادمجدہ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے بزرگوں کی ایک ایک ادا دانتوں سے پکڑنے کے قابل ہے۔ میں نے سنا ہے حضرت گنگوہیؒ تمیں تاریخ کو الم ترکیف سے تراویح پڑھتے تھے۔ اگر آج چاند نہ ہوا ہوتا تو میرا بھی ارادہ تھا کہ عبدالرحیم سے کہوں کہ الم ترکیف سے تراویح پڑھاوے۔ چونکہ تراویح اس سال موصوف ہی نے پڑھائی تھیں اس کے بعد ۱۳۷۷ھ کے رمضان المبارک میں ۲۹ کی رویت نہیں ہوتی تو فرمایا کہ میری تمنا کئی سالوں سے تھی کہ حضرت گنگوہی کی اتباع میں الم ترکیف سے تراویح سن لوں۔ چنانچہ مولانا سلیمان صاحب (جو تراویح پڑھانے والے تھے) کو حکم فرمایا کہ آج کی تراویح الم ترکیف سے ہو گی۔ چنانچہ حضرت کی دیرینہ خواہش پوری ہو گئی۔ اکابر سے محبت و تعلق انتساب کا تقاضا اور اس کا اصلی نفع اس بات میں مضمر ہے کہ ان کے اخلاق و عادات

اور معاملات میں زیادہ سے زیادہ اتباع کی کوشش کی جائے اور انہیں صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے احقر کو اور ناظرین کو اکابر کے فیوض و برکات سے نوازے۔ خصوصاً ان کے تواضع وتقویٰ کا کوئی حصہ عطا فرمائے۔

اللھم اتِ نفسی تقواھا و زکھا انت خیر من زکّٰھا انت ولیھا و مولھا واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علٰی امام المتقین سید الانبیاء والمرسلین والہٖ واصحابہ واتباعہ اجمعین

محمد اقبال

شب جمعہ ۶ محرم الحرام ۱۳۹۸ھ

مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفاً وکرامہ

مسائل متعلقہ تقویٰ

بندہ نے حضرت مرشد پاک دام مجدہ کی تعمیل ارشاد میں اکابر علماء دیوبند کا تقویٰ کے چند واقعات حضرت ہی کی کتب سے نقل کر دیئے ہیں اور اس کے ساتھ حضرت کی بلا اجازت فصل پنجم میں حضرت کے کچھ واقعات اپنی یاد سے لکھ دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ لکھنے والے، پڑھنے والوں میں تقویٰ کے جذبات پیدا فرمائیں۔

دینی جذبات کے حصول کا اصل ذریعہ تو اہل اللہ کی محبت وعقیدت کے ساتھ ان کی طویل صحبت ہے لیکن ہر شخص کو اس کا موقع نہیں ملتا۔ اس لیے طویل صحبت کا بدل بزرگوں کی تصانیف اور ان کے واقعات کا پڑھنا ہے لیکن اصل اور بدل کے فوائد میں کافی فرق ہوتا ہے۔ تحریر کے ذریعہ استفادہ میں ایک خامی ہوتی ہے کہ بعض الفاظ جن کا غلط استعمال ہوتا ہے ان سے پورا مفہوم سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے واقعات کے ذیل میں بعض امور کی وضاحت اور متعلقہ مسائل بھی بیان ہو جانے مفید ہیں۔ مثلاً توکل کا لفظ ہے جس کے معنی اللہ پر بھروسہ کرنا ہے کہ سب امور میں وہی کارساز ہے۔ اسباب میں وہی موثر ہے اور اس کے علاوہ سب کچھ وہم کے درجہ میں ہے۔ یہ بات یعنی توکل، توحید کا ثمرہ ہے۔ اب یہ صفت جس کے اندر ہوگی وہ اپنے سارے کاموں میں کامیابی ناکامی کسی چیز کے حاصل ہونے یا نہ ہونے میں

صرف اللہ پاک پر نظر رکھے گا اور متعلقہ اسباب کو اختیار نہ کرنے یا کرنے میں شرع کے مقررہ درجات کے مطابق عمل کرے گا کہ کس جگہ سبب کو اختیار کرنا مباح ہوگا کس جگہ مستحب یا سنت، کس جگہ فرض اور کس جگہ حرام ہوگا لیکن اب توکل مطلق اسباب کو چھوڑنے کا نام ہوگیا ہے اور وہ بھی آمدنی کے معروف حلال اسباب تجارت مزدوری وغیرہ کو چھوڑنے کا نام ہے۔ جبکہ اس کے ساتھ آمدنی کے ناجائز اسباب پر نظر رکھی جاتی ہے۔ مثلاً سوال کرنا خواہ زبان سے ہو خواہ صورت حال سے ہو یا دل کی توجہ سے ہو اور ان راستوں کی تدابیر اور تشکیل کی جاتی ہے جس میں جتنی لیاقت ہوتی ہے وہ اس کے مطابق مہذب اور باریک طریقے اختیار کرتا ہے لیکن کسب کمال کے علاوہ باقی ساری ضروریات زندگی میں سارے اسباب و تدابیر کو دوسرے غیر متوکل عوام کی طرح یہ متوکل صاحب بھی اختیار کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر توکل کی وجہ سے کاروبار چھوڑا ہوا تھا تو دوسرے ضروریات کے اسباب میں بھی زیادہ پریشان نہ ہوتا۔ اسی طرح جب تقویٰ کا لفظ بولا جاتا ہے تو صرف کھانے پینے اور پاک و ناپاک کے متعلق دور دور کے توہمات مشکوک اور تکلفات نکالنے کو تقویٰ سمجھا جاتا ہے لیکن مال کے حاصل کرنے اس کے خرچ کرنے اور لوگوں کے حقوق پورا کرنے میں معاملات میں، اخلاق میں یہ تقویٰ والی پرہیزی غذا کھانے والا متقی سب کام اسی طرح کے کرتا ہے جس طرح ایک غیر متقی عامی کرتا ہے۔ بلکہ متقی نہ کہلانے والا عوام تو کچھ ڈر بھی جاتے ہیں لیکن یہ نام نہاد متقی تو اپنے کو وہ در دہ ہی سمجھتے ہیں چاہے دھوکہ دیں، وعدہ خلافی کریں، قرض لے کر بھول جائیں، اپنا کام نکالنے اپنا مطلب پورا کرنے میں کسی قسم کی تکلیف تنگی حق تلفی کا بالکل احساس نہ کریں۔ ان کے تقویٰ اور بزرگی میں کسی بات سے بھی فرق نہیں آتا۔ جیسا کہ بی بی تمیزہ کا وضو جو کسی بدکاری سے بھی نہیں ٹوٹتا تھا۔

توکل اور تقویٰ کے بیان میں کتابوں میں بھی زیادہ تر کھانے پینے ہی کے متعلق بحث ہوتی ہے۔ اسی شعبہ کے واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ

ہے کہ انسانی ضروریات میں سب سے بڑی ضرورت کھانے پینے ہی کی ہے جس کی طرف انسان بہت مضطرب ہوتا ہے۔ اس لیے خوردونوش شعبے کو اہمیت تو ہے لیکن جب حقیقی تقویٰ کی صفت پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا اثر زندگی کے تمام شعبوں میں آنا ضروری ہے اور اگر صرف ایک شعبہ میں نظر آئے تو اس میں محض تکلف اور بناوٹ سمجھنا چاہیے اور وہ ہوائے نفس کے اتباع اور متکبر کی علامت ہوتی ہے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک آدمی حلال کھانے میں تو کسی شک کی وجہ سے پرہیز کرتا ہے لیکن غیبت کر کے اپنے مردار بھائی کا گوشت بلا تکلف کھاتا کھلاتا ہے۔

گزشتہ اوراق میں اکابر کے جو تقویٰ کے واقعات لکھے ہیں ان میں آپ نے دیکھا کہ اگر وہ حضرات مدرسہ کے مطبخ کے سالن کا نمک بھی خود نہیں چکھتے تھے تو دوسری طرف مدرسہ کے اوقات میں سے ایک منٹ بھی اپنے حساب میں خرچ نہ فرماتے تھے اور تعلیم کے علاوہ مدرسہ کے قالین پر تھوڑی دیر بیٹھنا گوارا نہ کرتے تھے۔ اگر حضرت شیخ مدرسہ کا کھانا اپنے لیے قیمتاً اس لئے نہ لیتے تھے کہ کھانا اتارنے والا ان کے ساتھ ترجیحی معاملہ کرے گا تو دوسری طرف مدرسہ کا کام پوری محنت اور غیر معمولی پابندی کے ساتھ کرنے کے بعد جو معمولی تنخواہ لی تھی اس کو مدرسہ کے حقوق میں کوئی کوتاہی ہو جانے کے شبہ پر واپس کیا۔ حالانکہ اس تنخواہ کے لینے میں بھی حضرت کا تقویٰ ہی کا جذبہ تھا کہ اپنے شیخ کی اتباع وادب کی وجہ سے لیتے تھے۔ جیسا کہ حضرت کے جد اعلیٰ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصرار پر بیت المال سے تھوڑا سا وظیفہ قبول کرنے کے بعد وفات کے وقت اس کے عوض میں اپنا ایک باغ دے دیا تھا۔ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب شبہ کی بنا پر اگر بازار کا سالن نہ کھاتے تھے تو سفر کیلئے گاڑی کرایہ کرنے پر گاڑی والے کو اپنا سامان پہلے دکھلا لیا کرتے تھے بعد میں مالک کی اجازت کے بغیر ایک کاغذ کے پرزہ کا بھی اس پر اضافہ گوارا نہ فرماتے تھے۔

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ اگر اشراف نفس کے شبہ سے کسی وقت ہدیہ قبول

نہ فرماتے تھے تو دوسری طرف بغیر محصول ادا کیے گئے بھی اپنے ساتھ لے جانا گوارا نہ فرماتے تھے۔ چاہے ریلوے کے مسلم غیر مسلم ملازمین بغیر محصول لے جانے کا کتنا ہی اصرار کرتے۔ حضرت مولانا منیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اگر شرعی فتویٰ کی بجائے اپنے دل کے فتویٰ پر عمل کیا تو مال بچانے کیلئے نہیں کیا بلکہ اپنی زمین بیچ کر مدرسہ کو مال دینے کیلئے کیا۔ الغرض حقیقی تقویٰ ہی ہے جس کا ظہور زندگی کے سارے ہی شعبوں میں ہو۔ اب تقویٰ کے مضمون کی مزید وضاحت کیلئے رسالہ تبلیغ دین میں سے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان اختصاراً نقل کرتا ہوں۔ تقویٰ کے چار درجے ہیں

پہلا درجہ:

جن چیزوں یا جس مال کی حرمت پر علماء دین اور فقہائے شریعت کا فتویٰ ہے ان کا استعمال نہ کرو کیونکہ ان کے استعمال سے آدمی فاسق بن جاتا ہے یہ تو عام مومنین کا تقویٰ کہلاتا ہے۔

دوسرا درجہ:

صلحاء کا تقویٰ ہے یعنی مشتبہ چیز سے بھی پرہیز کرنا۔ کیونکہ علماء شریعت نے ظاہری حالت دیکھ کر اگرچہ مشتبہ کو حلال کہہ دیا ہے مگر چونکہ اس میں حرمت کا احتمال ہے اور اس درجہ سے وہ شے مشتبہ کہلاتی ہے لہٰذا صلحاء اس کو بھی استعمال نہیں کرتے (مشتبہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز میں ایک دلیل حلت کی ہو اور دوسری دلیل حرمت کی ہو تب وہ مشتبہ ہے نہ یہ کہ حلت کی تو دلیل ہو لیکن حرمت کی شرعی دلیل نہ ہو محض وہم وظن ہو تو اس صورت میں وہ چیز مشتبہ نہ کہلائے گی)

تیسرا درجہ:

اتقیاء کا تقویٰ ہے جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مسلمان جب تک خطرہ والی چیزوں میں مبتلا ہونے کے اندیشے سے بے خطرہ چیزوں کو بھی ترک نہ کرے گا۔

اس وقت تک اتقیاء کے درجے کو نہ پہنچے گا۔ بعض اتقیاء کے نزدیک وہی مال حلال اور قابل استعمال ہے جس میں بالفعل نہ کسی قسم کا شبہ ہو اور نہ آئندہ کسی آفت کا خطرہ یا احتمال ہو۔

چوتھا درجہ:

یعنی جس چیز کے کھانے سے عبادت و طاعت پر قوت حاصل نہ ہو اس سے پرہیز کرنا' یہ درجہ تو چونکہ آسان نہیں ہے اس لیے صرف ثقہ مسلمانوں کا تقویٰ تو ضرور حاصل کرو کہ ان چیزوں کے پاس نہ بھٹکو جس کی حرمت پر علماء دین کا تقویٰ ہے اور اس کے ساتھ دو چیزوں کا اور بھی خیال رکھو۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرات فقہاء نے جو مسائل شرعیہ کے متعلق حیلے بیان کیے ہیں ان کی جانب (اپنی مصلحت' منفعت کیلئے) التفات نہ کرو۔

مجمع میں سوال کرنے کی قباحت اور ظاہری دینداری سے دنیا کمانے کی برائی

اسی طرح کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ کیونکہ بھیک مانگنا بری بات ہے۔ اسی طرح اپنی وجاہت یا معمولی اخلاقی تعلق کی بنا پر کسی سے مال یا خدمت کی فرمائش کرنا بھی سوال میں داخل ہے۔ صرف شکل مہذب ہے دوسری بات یہ کہ بعض جگہ خصوصی تعلق ایسے ہوتے ہیں جہاں سوال معیوب نہیں بلکہ بعض دفعہ مستحسن ہوتا ہے۔ دونوں صورتوں میں غور سے فرق کر لینا چاہیے۔ اگر سخت ضرورت کے وقت سوال کرنے کی نوبت آئے تو اس کا ضرور خیال رکھو کہ مجمع میں سوال نہ کرو کیونکہ اکثر ایسی حالت میں دینے والا جو کچھ بھی تم کو دے گا وہ اپنے مجمع میں ذلت اور رسوائی اور ہم چشموں میں ہکی کے خیال سے دے گا اور اس کو بطیب خاطر دینا نہیں کرتے۔ پس ایسا دیا ہوا مال استعمال کے قابل نہیں ہے چونکہ کسی کے بدن پر مار کر لینا یا کسی کے دل پر شرم اور دباؤ کا کوڑا مار کر لینا دونوں برابر ہیں۔ نیز اپنے دین کو ذریعہ کسب نہ بناؤ۔ مثلاً

صلحاء فقراء کی سی صورت اس نیت سے نہ بناؤ کہ ہمیں بزرگ سمجھ کر لوگ دیں گے۔ حالانکہ تم بالکل کورے ہو اور تمہارا دل گندگی سے آلودہ ہے۔ یاد رکھو کہ دوسروں کا دیا ہوا مال تمہیں اس وقت حلال ہے جب کہ تمہاری چھپی ہوئی حالت ایسی نہ ہو کہ اگر دینے والا اس سے آگاہ ہو جائے تو ہرگز نہ دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تم نے صورت بزرگوں کی سی بنائی اور تمہارے دل میں خواہشات نفسانی کا ہجوم ہے اور ظاہر ہے کہ دینے والے نہیں جو کچھ تم کو دیا ہے وہ صرف تمہاری صورت دیکھ کر دیا ہے کہ اس کو تمہاری باطنی گندگی کی بالکل خبر نہیں ہے تو اگرچہ علماء شریعت جو ظاہری انتظام کے متکفل ہیں اس مال کو حلال بتائیں گے مگر صاحب بصیرت حرام کہے گا اور اس کو استعمال میں لانے کی ہرگز اجازت نہ دے گا۔

قلب سے فتویٰ لینے کی ضرورت

دوسری بات جس کا خیال کرنا ضروری ہے یہ ہے کہ علماء کے فتویٰ پر اکتفاء نہ کیا کرو۔ اپنے دل سے بھی پوچھا کرو کہ اس معاملہ میں دل کیا کہتا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تم اپنے دلوں سے بھی فتویٰ لیا کرو۔ اگرچہ مفتی فتویٰ دے چکیں (اس کی بہترین مثال فصل نمبر ۲ میں حضرت مولانا منیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قصہ میں ہے کہ مفتی صاحب نے فقہ کا یہ قاعدہ دیکھ کر کہ امانت بغیر تعدی کے ضائع ہو جائے تو امانت دار پر ضمان نہیں ہے۔ فتویٰ دے دیا کہ امانت مولانا پر ضمان نہیں ہے لیکن آخرت کے معاملہ میں فکرمندی اور تقویٰ کی وجہ سے حضرت کا دل مطمئن نہیں ہوا۔ ان کو یہ شک ہوا ہوگا کہ شاید مجھ سے روپے کی حفاظت میں کوتاہی ہوئی ہو۔ مفتی صاحب کا فتویٰ اپنی جگہ پر صحیح ہے لیکن مسئلہ کی جو صورت ہے وہ حقیقتاً پیش آئی بھی ہے یا نہیں اس لیے حضرت نے اپنے دل کی چبھن دور کر دی اور مدرسہ کے خرچہ میں اپنی زمین بیچ کر لگا دیا۔

نفس کو تشدد سے بچانا چاہیے

نفس پر زیادہ تشدد بھی نہ کرو مثلاً کہنے لگو کہ ایسا مال کہاں ہے جو مشتبہ بھی نہ ہو اور کسی ظالم یا فاسق کے ہاتھ میں نہ ہو کر آیا ہو اور جب ایسا مال نہیں مل سکتا تو یا تو انسان جوگی بن کر گھاس پات کھانے پر قناعت کرے اور ایسا نہ کر سکے تو بے باک ہو کر جو چاہے کھائے پئے ایسا خیال کرنا گمراہی ہے۔ بات یہ ہے کہ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان کے بین بین کی چیزیں مشتبہ کہلاتی ہیں (مضمون حدیث بخاری و مسلم) مگر تم کو صرف اتنی تکلیف دی گئی ہے کہ جو مال شرعاً حلال ہے اس کے حرام اور نجس ہونے کا کوئی ظاہری سبب تم کو معلوم نہیں تو اس کو حلال سمجھ کر کھاؤ پیو۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ مشرک آدمی کے مشکیزے سے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عیسائی عورت کے گھڑے سے وضو کیا اور اگر پیاس ہوتی تو پی بھی لیتے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ خواہ مخواہ وہم کرنا کہ خدا جانے یہ پانی پاک ہے یا ناپاک جائز نہیں ہے۔

(جب جائز نہیں تو ایسی احتیاط کرنے والے متقی نہیں وہمی کہلائے گا۔)

عارض کی تحقیق نہ ہونے پر اصل پر عمل کرنا چاہیے

جب پانی کے ناپاک ہونے کی بظاہر تم کو کوئی وجہ معلوم نہیں تو اس کو پاک ہی سمجھنا چاہیے۔ اسی طرح جو حلال شے کسی ایسے آدمی کے ہاتھ میں پاؤ جس کا حال تم کو معلوم نہ ہو تو اس کو پاک سمجھو اور مسلمانوں کے ساتھ حسن ظن رکھو اور یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں کے پاس جو کچھ مال ہو حلال ہے اور پاک ہی کمائی کا ہوگا۔ اس کی دعوت قبول بھی کر لیا کرو۔ خصوصاً جبکہ مسلمان صالح اور دیندار ہو۔ ہاں البتہ ظالم بادشاہ، سود خور، شراب بیچنے والے کا مال جب تک یہ نہ پوچھ لو کہ کس حلال طریقہ سے کمایا ہے حلال نہ سمجھو۔ پس اگر تحقیق کے بعد معلوم ہو جائے کہ سود یا ظلم کی کمائی اور شراب

کی قیمت نہیں ہے تو اس کا لے لینا بھی حرام نہیں ہے اور اگر کسی کے پاس غالب حصہ حلال آمدنی کا ہے اور کم حرام کا تو اس کا کھانا بھی حلال ہے البتہ اگر نہ کھاؤ تو تقویٰ ہے۔ دنیا میں چھ قسم کے آدمی ہیں اور ہر ایک کے ساتھ معاملہ کا جدا حکم ہے جس کو ہم نمبر دار بیان کرتے ہیں۔

مال کی حلت و حرمت کی شناخت

پہلی قسم:

وہ آدمی ہیں جن کی صورت کسب اور دینداری اور بد دیانتی کا حال کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کا دیا ہوا مال حلال ہے اور اس سے پرہیز کرنا ضروری نہیں۔

دوسری قسم:

وہ صلحاء جن کی دینداری کھلی ہوئی اور کمائی کا شروع طریقہ ظاہر ہے۔ ان کے مال میں شبہ کرنا وسوسہ شیطانی ہے بلکہ اگر ان کو اس کے پرہیز کرنے سے رنج ہو تو ایسا تقویٰ بھی حرام اور معصیت ہے۔

تیسری قسم:

وہ لوگ جن کا نصف سے کم مال حرام کے ذریعہ سے کمایا ہوا ہو اور تمہیں بھی معلوم ہو کہ زیادہ مقدار کسب حلال ہی کی ہے تو چونکہ اس کے پاس زیادہ مال حلال ہے اس لیے کثرت کا اعتبار کیا جائے گا اور اس کے دیے ہوئے مال کو حلال ہی سمجھا جائے گا۔ البتہ اس سے پرہیز کرنا تقویٰ میں شمار ہوگا۔

چوتھی قسم:

وہ لوگ ہیں جن کے کسب کا ذریعہ اگرچہ معلوم نہیں لیکن ظلم و تعدی کی علامتیں ان پر نمایاں ہیں مثلاً جابر حکام کی سی شکل و لباس اور وضع اختیار کیے ہوئے ہیں تو چونکہ یہ ظاہری حالت یوں بتا رہی ہے کہ ان کا مال بھی ظلماً ہی حاصل ہوا ہوگا۔ لہٰذا اس سے احتیاط کرنی چاہیے اور اس کی تفتیش کیے بغیر حلال نہ سمجھو۔

پانچویں قسم:

وہ لوگ ہیں جن پر علامت ظلم تو کوئی نمودار نہیں ہے البتہ فسق و فجور کے آثار نمایاں ہیں۔ مثلاً ڈاڑھی منڈی ہوئی ہے یا مونچھیں بڑھی ہوئی ہیں یا فحش بک رہا اور گالیاں دے رہا ہے یا اجنبی عورت کی طرف دیکھ رہا ہے یا اس سے باتیں کر رہا ہے تو اگرچہ یہ سب افعال حرام ہیں مگر مال کے حاصل کرنے میں چونکہ ان کو کچھ دخل نہیں ہے لہٰذا مال کو حرام نہیں سمجھا جائے گا۔ پس اگر تم کو معلوم ہو کہ یہ مال اس نے ترکہء پدری میں پایا ہے یا کسی حلال ذریعہ سے پایا ہے تو اس کو حلال سمجھو۔ دیکھو رسول اللہ ﷺ نے مشرک کے پانی کو نجس نہیں سمجھا۔ پس جب مجوسیت اور نصرانیت کے سبب پانی مشتبہ یا ناپاک نہیں ہوا تو مسلمان کا مال محض اس کے فسق و فجور کی وجہ سے کیسے ناپاک ہو سکتا ہے۔

اس تشریح کے بعد ہم یہی کہتے ہیں کہ اپنے دل سے فتویٰ لے لو اور جس کے مال سے کھٹکے اس کا ہرگز استعمال نہ کرو۔ البتہ یہ ضرور دیکھ لو کہ دل کے فتوے پر عمل کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے سے اس شخص کو رنج تو نہ ہوگا۔ پس اگر رنج کا اندیشہ ہو تو ایسا تقویٰ کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ مثلاً کسی نامعلوم الحال مسلمان نے تمہیں کوئی چیز دی یا تمہاری دعوت کی اور تم نے تقویٰ کی بنا پر اس کے مال کی تفتیش شروع کر دی تو ظاہر ہے کہ یا تو خود اسی سے پوچھو گے یا اس سے خفیہ دوسروں سے تحقیق کرو گے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس سے پوچھا تو اس کو ضرور رنج ہوگا یا اگر دوسروں سے پوچھا اور اس کو خبر ہو گئی تو مسلمانوں کو رنج پہنچانے کے علاوہ مسلمان کے ساتھ بدگمانی رکھنے اور بعض دفعہ غیبت اور تہمت میں مبتلا ہونے کا بھی اندیشہ ہے اور یہ سب حرام ہے اور تقویٰ کا چھوڑنا حرام نہیں ہے۔ پس ایسے موقعوں پر اس مسلمان کا دل خوش کرنا واجب ہے (ہم نے اپنے آقا و مرشد حضرت شیخ الحدیث صاحب کا عمل اسی کے مطابق دیکھا) دیکھو رسول اللہ ﷺ نے اپنی باندی حضرت بریرہ کا وہ کھانا جو کسی مسلمان نے ان کو صدقہ دیا تھا بے تامل کھا لیا اور صدقہ دینے والے مال اور حال کا

تجسس نہ فرمایا۔ البتہ جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو شروع شروع جو چیز آپ کو نذر کی گئی تو آپ نے یہ ضرور پوچھ لیا کہ صدقہ ہے یا ہدیہ اور یہ بھی صرف اس وجہ سے کہ صدقہ کا مال آپ کیلئے حلال نہ تھا اور اس سوال سے اس کو رنج یا ایذا بھی نہ ہوتی تھی کیونکہ صدقہ اور ہدیہ دونوں کی ایک ہی صورت ہے صرف دینے والے کی نیت اور محل از مصرف کا فرق ہوتا ہے (اور حضور اکرم ﷺ کے یہاں صدقہ کا مال بھی برائے تقسیم آتا تھا) باقی اس سے زیادہ تفتیش نہیں فرمائی کہ کس طرح اور کس سے حاصل کیا۔

آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جو مسلمان آپ کی ضیافت کرتا بلا تامل قبول فرما لیتے اور کہیں منقول نہیں کہ آپؐ نے اس کا سوال کیا ہو کہ تمہارا مال کس ذریعہ سے حاصل ہوا ہے۔ البتہ شاذ و نادر کسی غالب شبہ کے موقع پر تحقیق حال فرمائی ہے۔

بازار کی چیزوں میں اصل حلت ہے

رسول اللہ ﷺ اور تمام صحابہؓ سفر میں بازار سے تمام ضروریات کی چیزیں خریدتے اور کھاتے تھے۔ حالانکہ یہ بھی جانتے تھے کہ سود اور لوٹ اور مال غنیمت میں خیانت کیے ہوئے مال بھی بازاروں میں فروخت ہوتے ہیں۔ مگر ان توہمات کی طرف کبھی توجہ نہ فرمائی بلکہ غالب اور اکثریت کی بنا پر بازار میں فروخت ہونے والے سارے مال کو تفتیش اور تحقیق کے بغیر حلال سمجھا۔ اسی طرح تم بازار کی چیزوں کو حرام نہ سمجھو۔ روزمرہ کے استعمال کی چیزوں اور دواؤں' غذاؤں کے پاک ناپاک' حلال' حرام کے مسائل بہشتی زیور کے نواں حصہ میں طبی جوہر میں مذکور ہیں اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ اس سے اجمالاً معلوم ہوگا کہ بعض ناپاک چیزیں عموم بلوی کی وجہ سے معاف ہیں اور بعض چیزیں تبدیل ماہیت (کیمیائی تبدیلی) کی وجہ سے پاک اور حلال ہو جاتی ہیں جیسے ناپاک چربی کا صابن اور چینی میں ہڈی کے کوئلے کا استعمال وغیرہ اور بعض چیزیں خلاف قیاس پاک و حلال ہیں۔ جیسے پنیر مایہ جس سے

جبن بنتا ہے اور جبن (پنیر) کی طہارت ثابت بالنص اور متفق علیہ حدیثوں سے ثابت ہے۔ اس لیے کسی چیز کے حلال وحرام قرار دینے میں اپنی طبیعت یا رائے سے کبھی کچھ نہ کہے بلکہ مفتی حضرات سے فتویٰ لے کیونکہ ان مسائل اور اصولوں کے معلوم نہ ہونے سے بعض وقت آدمی حلال کو حرام کہنے میں اور استعمال کرنے والے لوگوں سے بدگمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ غیبت جو کبیرہ گناہ ہے بہت ہی عام ہو گیا ہے مگر یہاں عموم بلویٰ کا قانون نہیں چلے گا۔ عموم بلویٰ اختلافی مسائل میں ہوتا ہے البتہ غیبت بعض مواقع میں جائز ہوتی ہے۔ لہٰذا جلدی سے اس کو دیکھ کر بھی بدگمانی نہ کرے اور خود بہت بچے اسی طرح اپنی معیشت اور معاشرت میں اپنی ذات کے متعلق جس طرح کا معاملہ اختیار کرے اس کا اپنے شیخ یا کسی بزرگ کامل سے مشورہ بھی کر لے۔ مثلاً بال بچے دار غریب اور عامی آدمی اگر ایسی ملازمت یا ایسے کاروبار میں پھنسا ہوا ہو جو تقویٰ کے معیار پر نہ ہو تو اس کو چھوڑنے کا ہمارے بزرگ عام طور پر مشورہ نہیں دیا کرتے۔ جب تک کہ دوسرا ذریعہ حاصل نہ ہو جائے۔ یہی حال تعلقات رکھنے میں ہے کہ مشورہ سے اعتدال کا راستہ اختیار کرے۔ ایک ضروری بات یہ ہے کہ حقیقی تقویٰ صفت احسان ویقین کے حاصل ہونے کے بعد پیدا ہوتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ کسی ایک چیز میں بہت اونچا درجہ اختیار کرے اور باقی زندگی درہ درہ ہو۔ دوسرے وہ چونکہ خوف وحیاء کی وجہ سے ہوتا ہے اس لیے اس تقویٰ کے ساتھ تواضع کا ہونا ضروری ہے اور جس تقویٰ سے بجائے تواضع کے تکبر پیدا ہو وہ تقویٰ نہیں محض تکلف ہے اور اس تقویٰ سے تو جواز کی حد ہی بہتر ہے۔ حقیقی تقویٰ کے حصول کا طریق اہل اللہ کی صحبت اور ذکر سے تعلق باللہ کو بڑھانا اور عمل کی نیت سے مسائل کو سیکھنا ہے۔

والله الموفق ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم ٥

محمد اقبال ہوشیار پوری ثم المدنی

[illegible]

[illegible]

[illegible]